انسانی حقوق اور اسلامی نقطہ نظر

تمہید وتعارف

تلخیص

محمد ظفر عالم ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : انسانی حقوق اور اسلامی نقطہ نظر–تمہید و تعارف
تلخیص : محمد ظفر عالم ندویؔ
صفحات : ۸۱
سن طباعت : ۲۰۱۵
قیمت :

ناشر
ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی
۱۶۱–ایف، بیسمنٹ، جوگا بائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی – ۱۱۰۰۲۵
فون011- 26981327:

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

تمہید وتعارف ۹

پہلا باب

اسلام میں حقوق انسانی کا تصور — اجمالی گفتگو، ضروری احکام

انسانی حقوق سے متعلق احکام اور تعلیمات ۱۳

زندگی کا حق //

عزت واکرام کا حق ۱۴

عورت کے معاشرتی اور عائلی حقوق ۱۵

نجی معاملات میں رازداری کا حق //

تعلیم کا حق ۱۶

اظہار رائے کا حق ۱۷

تنظیم سازی کا حق ۱۸

انصاف کا حق //

محنت پر اجرت لینے کا حق ۱۹

ملکیت کا حق ۲۰

کفالت کا حق //

آزادی کا حق ۲۱

گرفتاری اور سزا سے تحفظ کا حق ۲۱
عمل غیر سے برائت کا حق ۲۲
سکونت کا حق //
پناہ کا حق ۲۳
اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق //

دوسرا باب

اسلام میں حقوق انسانی کا تصور

اسلام میں تصور حریت ۲۷
اسلام کا تصور مساوات ۳۰
مساوات مرد وزن ۳۱
آقا و غلام کی مساوات ۳۲
مساوات انسانی کا آخری منشور //
قرآن مجید میں انسانی حقوق کے مثبت پہلو ۳۳
اسلام میں شخصی آزادی ۳۶

تیسرا باب

مختلف طبقات کے حقوق — اسلام میں

جنین کے حقوق ۴۱
اسلام میں بچوں کے حقوق ۴۶

یتیموں کے حقوق	۴۹
رضاعت کا حق	۵۳
اسلام میں بوڑھوں کے حقوق	۵۴
اسلام میں مریضوں کے حقوق	۵۵
علاج کی شرعی حیثیت	۵۷

چوتھا باب

مختلف ممالک میں اقلیتوں کے حقوق

مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق	۶۱
دستور مدینہ اور غیر مسلموں کے حقوق	//
جان کی حفاظت	۶۴
مسلمان سے غیر مسلم کا قصاص	۶۵
غیر مسلم کی دیت	//
محاربین کے ساتھ حسن سلوک	۶۶
تحفظ مال	//
پیشہ اختیار کرنے کی آزادی	//
عزت وآبرو کا تحفظ	۶۷
تعلیم وتعلم کا حق	//
سیاسی حقوق	۶۸
غیر مسلموں کو سرکاری عہدے	۶۹

عقیدے کی آزادی	۷۰
اظہار رائے کی آزادی	۷۲
غیر مسلموں سے حسن سلوک	//
حقوق انسانی اور اسلام ماحولیات کے تناظر میں	۷۵
ماحولیات سے متعلق اسلامی ہدایات	//
پانی کی اہمیت	۷۶
پانی کو گندہ کرنے کی ممانعت	۷۷
طہارت و نظافت کی اہمیت	//
اجتماعی ماحول کو آلودگی سے بچانا	۷۸
پبلک مقامات کو آلودگی سے بچانا	۷۹
کسی جاندار کی غذا کو آلودہ نہ کرنا	۸۰
ماحولیات کا تحفظ انسان کی ذمہ داری	//
خلاصہ	۸۱

☆☆☆

انسانی حقوق اور اسلامی نقطۂ نظر

اسلام کی تمام تعلیمات کا حاصل دو چیزیں ہیں ایک اللہ کی بندگی وطاعت۔ دوسری بندگان خدا کے ساتھ حسن سلوک۔ اسلامی شریعت کے تمام احکام ان دو بنیادی ستونوں سے وابستہ ہیں۔ایک کو حقوق اللہ کا عنوان دیا جاتا ہے اور دوسرے کو حقوق العباد۔

اسلام نے اللہ کے حقوق کے ساتھ انسانی حقوق کی بڑی اہمیت دی ہے، اس کی نظر میں انسانی حقوق کا دائرہ بہت وسیع ہے، تاہم انسان کے کچھ حقوق بنیادی نوعیت کے ہیں جو تمام طبقات کے درمیان مشترک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کسی خاص طبقہ یا خاص صورتحال سے متعلق افراد کے لیے ہیں، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سے متعلق مخصوص حقوق مقرر ہیں، ساتھ ہی مریضوں اور مسافروں کے حقوق کی بھی رعایت ہے۔غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے فرائض وذمہ داریاں، مسلم اکثریت ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق، دوسرے خطوں سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کے حقوق، اسی طرح جن لوگوں پر کسی جرم کا الزام ہے یا جرم ثابت ہو چکا ہے اور وہ مقید ہیں ان سب کے حقوق سے متعلق احکام اور تعلیمات اسلام میں واضح طور پر موجود ہیں اور یہ تمام احکامات وتعلیمات عدل وانصاف، انسانی کرامت وشرافت، مساوات، کمزوروں کا لحاظ، مذہبی رواداری اور قومی ومذہبی جذبات کے پاس ولحاظ پر مبنی ہیں اور ہر دور اور ہر خطہ ارض کے لیے ہیں۔

عالمی منظر نامہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب فرانس کے بعد پورے یورپ میں جنگ کا جو ماحول بنا، انیسویں صدی میں مختلف قوموں کے درمیان سیاسی ومعاشی اغراض

کی خاطر جو کشمکش شروع ہوئی اور بیسویں صدی میں بال آخر دو عظیم جنگیں عالمی سطح پر وجود میں آئیں اور بے انتہا انسانی حقوق کی پامالی ہوئی تو پوری دنیا ۱۹۴۵ء میں ایک عالمی ادارہ ''اقوام متحدہ'' کی تشکیل پر مجبور ہوئی اور ۱۰/دسمبر ۱۹۴۸ء میں اس ادارہ کی جنرل اسمبلی سے انسانی حقوق کا منشور منظور ہوا۔ انسانی حقوق کے عالمی منشور کے آجانے کے بعد دنیا میں کیا تبدیلی آئی وہ دنیا کے حالات ہی بتائیں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت حقوق انسانی کے نام پر دنیا کی زیادہ تر حکومتیں انسانی خون سے اپنی پیاس کس طرح بجھا رہی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، غضب یہ ہے کہ اس کا مورد الزام اسلام اور مسلمانوں ہی کو ٹھہرایا جا رہا ہے۔

ایسے ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام نے حقوق انسانی سے متعلق جو تعلیمات اور ہدایات دی ہیں ان کو دنیا کے سامنے لایا جائے۔

☆☆☆

پہلا باب

اسلام میں حقوق انسانی کا تصور

اجمالی گفتگو، ضروری احکام

انسانی حقوق سے متعلق احکامات اور تعلیمات

موجودہ دنیا میں انسانی حقوق کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کے لیے دنیا کی قومیں کافی جدوجہد کر رہی ہیں اور قومی وبین الاقوامی سطح پر تنظیمیں اور کمیٹیاں قائم ہیں، اسلام نے انسان کو اپنے احکام اور تعلیمات میں کیا حقوق دیئے ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں اختصاراً پیش کیا جارہا ہے۔

زندگی کا حق:

اسلام ہر متنفس کی زندگی کی ضمانت دیتا ہے اور کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کی جان کے درپے ہو۔ اس کے نزدیک کسی ایک شخص کو قتل کرنا پوری نوع انسانی کو قتل کرنے کے مرادف ہے۔

"من قتل نفسا بغير نفس أو فساد فی الأرض فكأنما قتل الناس جميعا" (المائدہ: ۳۲)۔

(جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کرڈالا اس نے سب لوگوں کو)۔

قتل کرنے والا خواہ کوئی ایک شخص ہو یا بہت بڑی جمعیت، دونوں مجرم اور سزا کے مستحق ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لو اجتمع أهل السماء والأرض على قتل امرئ لعذبهم الله"** (طبرانی)۔

(اگر آسمان وزمین کے تمام لوگ مل کر کسی ایک شخص کو قتل کردیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب دیگا)۔ اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :"لزوال الدنیا أھون علی اللہ من قتل رجل مسلم" (جامع ترمذی)۔

(پوری دنیا کا فنا ہوجانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکا ہے)۔

عزت واکرام کا حق:

اسلام کے نزدیک ہر شخص محترم اور معزز ہے خواہ وہ سماج کے کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو کسی کو حق نہیں کہ اس کی ہنسی اڑائے، برا بھلا کہے، پیٹھ پیچھے برائی کرے بہتان لگائے، اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھے یا اس کی تذلیل اور اہانت کرے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا أیھا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرا منھن ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب ,یا أیھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا یغتب بعضکم بعضا" (الحجرات:۱۱-۱۲)۔

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، اے ٖلوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)۔

اسلام کے نزدیک یوں تو ہر شخص کی عزت وآبرو محفوظ ہے لیکن خاص طور سے عورتوں کی عزت وناموس کی پاسداری کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر بہتان لگانے والوں کے لیے سخت سزا متعین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إن الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ

ولهم عذاب أليم" (النور: ۲۳)۔

(جولوگ پاک دامن بے خبر عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے)۔

عورت کے معاشرتی اور عائلی حقوق :

اسلام اپنا ایک مخصوص نظام معاشرت رکھتا ہے، اس کے مطابق عورت اور مرد کے معاشرتی اور عائلی حقوق متعین کئے گئے ہیں، احکام الٰہی کے مکلف ہونے اور ان پر اجر وثواب پانے میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں، عورت کو مرد کے مثل تمام تمدنی حقوق حاصل ہیں، وہ ملکیت کا حق رکھتی ہے، خرید وفروخت کرسکتی ہے، اور دیگر معاملات بھی انجام دے سکتی ہے، اسی طرح نسل انسانی کی افزائش اور پرورش کا کام عورت سے متعلق ہے جو ان کی فطری صلاحیت کے عین مطابق ہے اور نظام خاندان کو چلانے اور روزی کمانے کا بار مرد پر ڈالا گیا ہے اور عورت کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور اس کی رعایت اور سہولت کے پیش نظر سیاسی اور عسکری خدمات اس سے متعلق نہیں ہیں اور مرد کو حکم دیا گیا ہے "عاشروهن بالمعروف" (اور عورتوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی گزارو) اور یہ بھی حکم دیا گیا "هن لباس لكم وأنتم لباس لهن" (وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں اور مساوات انسانی کے آخری منشور میں عورتوں کے حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے یہ حکم نافذ فرمایا: تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے (سیرۃ النبی ۲/۱۶۰-۱۵۸)۔

نجی معاملات میں رازداری کا حق :

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل اندازی

کی جائے اور ان کی ٹوہ میں لگا جائے، قرآن کریم کا صریح حکم ہے :"**ولا تجسسوا**" (الحجرات) (اور تجسس نہ کرو) حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے "**إنک إن اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم**" (سنن ابوداؤد)، (اگر تم لوگوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کو بھی اس سے متنبہ کیا ہے اور انہیں لوگوں پر بلاوجہ شک وشبہ کرنے اور ان کی جاسوسی کروانے سے روکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :"**إن الأمير إذا ابتغى الريبة في الناس أفسدهم**" (سنن ابوداؤد) (اگر حکمراں اپنی رعایا کے ساتھ شک وشبہ کا معاملہ کرے گا تو انہیں بگاڑ کر رکھ دے گا)۔

اس معاملہ میں اسلام اس قدر لحاظ کرتا ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے یا باہر سے تاک جھانک کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"**يا أيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا وتسلموا على أهلها**" (النور:۲۷)۔

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو)۔

تعلیم کا حق :

اسلام تحصیل علم پر بہت زور دیتا ہے اس نے پہلی وحی ہی میں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے :"**إقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الإنسان من علق، إقرأ وربک الأكرم الذی علم بالقلم، علم الإنسان مالم يعلم**" (العلق:۱-۵)۔ (پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جس نے جمے ہوئے خون کے ایک

لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا) احادیث میں بھی خود علم حاصل کرنے کی بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**ما من رجل يسلک طريقا يطلب فيه علماً إلا سهل الله له به طريقا إلى الجنة**" (سنن ابی داؤد، کتاب العلم)۔ (جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے۔ اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے)۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار ایسی روایتیں ہیں جن سے حصول علم کی ترغیب، اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے، البتہ اسلام علم برائے علم کا قائل نہیں بلکہ ایسے علم کو اہمیت دیتا ہے جس سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے فائدہ علم کو بے مصرف خزانہ سے تشبیہ دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**إن مثل علم لا ينفع كمثل كنز لا ينفق في سبيل الله**" (مسند احمد: ۹۹۱۲/۴)۔ (جس علم سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے وہ اس خزانہ کے مثل ہے جسے راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے)۔

اظہار رائے کا حق:

اسلام نے عقل سے کام لینے اور غور وفکر کرنے پر زور دیا ہے، غور وفکر سے مختلف لوگوں کے درمیان نقطۂ نظر کا اختلاف ہوتا ہے، اسلام حدود کے اندر اختلاف کی اجازت دیتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی لیکن دونوں نے ان سے تعرض نہ کیا، اس لیے کہ ان کی طرف سے کسی باغیانہ روش کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خوارج نے ان کی اطاعت قبول نہیں کی لیکن حضرت علیؓ نے بزور قوت انہیں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ فرمایا: "**قفوا حيث شئتم، بيننا وبينكم أن لا تسفكوا دماً حراما أو تقطعوا سبيلاً أو تظلموا ذمة فإنكم إن فعلتم فقد نبذنا إليكم الحرب على سواء**" (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، دار الریان للتراث، ۱۹۸۸ء،

۲۹۱/۷–۲۹۲).(جہاں چاہو رہو، شرط یہ ہے کہ کسی کا ناحق خون نہیں کروگے، ڈاکہ زنی نہیں کروگے، اور ذمیوں کو قتل نہیں کروگے اگر تم نے ایسا کیا، تو پھر میں تم سے جنگ چھیڑ دوں گا) یہی وجہ ہے کہ مسلم حکمرانوں نے اپنی رعایا کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی ہے اور ان کے اس حق کو کبھی غصب نہیں کیا ہے۔

تنظیم سازی کا حق:

اسلام کا مزاج اجتماعیت پسند ہے وہ نیکی وبھلائی اور فلاح عام کے کاموں کو انفرادی سطح پر انجام دینے کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر انجام دینے کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (آل عمران: ۱۵۴)۔

(تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں، جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں)۔

انصاف کا حق:

اسلام میں قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں، کوئی شخص خواہ امیر ہو یا غریب، صاحب جاہ ومنصب ہو یا عام آدمی، اپنے مذہب کا ہو یا کسی دوسرے مذہب کا ماننے والا، سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **"وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل"** (النساء)، **"ولايجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا إعدلوا هو أقرب للتقوى"** (المائدۃ: ۸).(کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے (جب تم کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) اس معاملہ میں اسلام نے عدل وانصاف کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ حکمرانوں کو بھی عدالت میں حاضر ہونے کا پابند کیا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے زمانۂ خلافت میں فریق مخالف کی طرح عدالت میں حاضر ہوتے تھے۔ اسلام ''مظلوم نی کو بلا قیمت انصاف فراہم کرتا ہے، اسلامی نظام میں عدالت کی فیس اور وکلاء کے بھاری معاوضے ادا کرکے انصاف نہیں خریدا جاتا، بلکہ عدالت کے تمام مصارف حکومت برداشت کرتی ہے۔

محنت پر اجرت لینے کا حق:

اسلام حلال روزی کمانے کا حکم دیتا ہے اور اس کے لیے محنت ومشقت کرنے کی فضیلت بیان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :''**یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیبا**'' (البقرہ:١٦٨)۔

(لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ)۔ حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :''**ما أکل أحد طعاما قط خیرا من أن یاکل من عمل یده**'' (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)۔ (کبھی کسی شخص نے ہاتھ کی کمائی سے بہتر روزی نہیں کھائی)۔ قدرت کے باوجود کام نہ کرنے اور بھیک مانگنے کو اسلام پسند نہیں کرتا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :''**لا تزال المسئلة بأحدکم حتی یلقی اللہ تعالیٰ ولیس فی وجهه مزغة لحم**'' (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراہیۃ المسئلۃ الناس،، اسی مضمون کی حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے، کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس متکبرا)۔ جو شخص یہاں برابر مانگتا رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرے پر ذرا سی گوشت نہ ہوگا)۔ کام چاہے جسمانی ہو یا فنی یا علمی اس پر آدمی بھر پورا اجر کا مستحق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :''**ولا تبخسوا الناس أشیائهم**'' (الأعراف:

۸۵)۔(لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو)۔اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"أعطوا الأجير أجرة قبل أن يجف عرقه" (سنن ابن ماجہ، أبواب الرہون، باب أجر الأجراء)،(مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو)۔

ملکیت کا حق :

کوئی شخص جو کچھ حلال ذرائع سے کمائے، اسلام اس کا حق ملکیت تسلیم کرتا ہے، اس کے استعمال اور تصرف کا اسے پورا اختیار ہے، دوسرا شخص یا حکومت اس کے اس حق کو غصب نہیں کر سکتی ہے، نہ اس کی ملکیت کو ختم کر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (النساء: ۲۹)۔(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ)۔

حکومت کو بھی اگر مفاد عامہ کے پیش نظر کسی کی ذاتی ملکیت لینے کی ضرورت ہو تو مالک کی رضامندی سے اس کا معاوضہ ادا کر کے ایسا کر سکتی ہے، بلا معاوضہ اور بغیر رضامندی کے حکومت نہیں لے سکتی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے لیے ایک جگہ منتخب کی تو اس کا معاوضہ ادا کر کے اسے حاصل کیا۔

کفالت کا حق :

بعض لوگ اپنی روزی کمانے پر قادر نہیں ہوتے، اسلام انہیں معاشرے میں بے یار ومددگار در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ ان کی کفالت کا اہتمام کرتا ہے، اس کے لیے اس نے مختلف تدابیر اختیار کی ہیں، مثلاً زکوۃ دینا صاحب نصاب لوگوں پر فرض کیا ہے تا کہ فقراء اور مستحقین کی امداد ہو، اسی طرح انفاق پر زور دیا گیا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور فقیروں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور خبر گیری رکھنے کی تاکید کی، اسی طرح

قرض حسنہ، عاریہ، وراثت، وصیت اور نفقہ وغیرہ کے احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ نیز اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی کہ جس شخص کی کفالت کوئی نہیں کر رہا ہے اس کی کفالت وہ کرے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"السلطان ولی من ولا ولی لہ"** (جامع ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء لانکاح إلا بولی) (جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست حکمراں ہے)۔

آزادی کا حق:

اسلام انسانوں کو یہ حق بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار میں آزاد ہو اور اپنی مرضی سے جو چاہے کر سکے، اسلام کسی انسان سے اس کی آزادی کو سلب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر اپنے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا: **"متی تعبدتم الناس وقد ولدتھم أمھاتھم أحرارا"** (أخبار عمر، علی طنطاوی، دار الفکر دمشق، طبع اول، ص: ۱۸۳–۱۸۴)۔ (تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا)۔

محض شک وشبہ پر گرفتاری اور سزا سے تحفظ کا حق:

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کو محض شک وشبہ کی بناء پر "قومی سلامتی" کے نام پر گرفتار کیا جائے اور عدالتی کارروائی کئے بغیر جیل میں ڈال دیا جائے۔ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے ملزم بے قصور ہے اور اس کی آزادی کو ختم کرنا غلط ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص نے خطبہ کے درمیان کھڑے ہو کر کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پڑوسی کسی جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں" اس نے یہی سوال تین بار دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دیا جائے نی نی (سنن ابوداؤد، کتاب القضاء)۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :
”واللہ لا یؤسر رجل فی الإسلام بغیر العدول“ (مؤطاامام مالک، کتاب الأقضیۃ)۔(اللہ کی قسم اسلام میں کسی شخص کو قید نہیں کیا جب تک کہ معتبر گواہی کے ذریعہ اس کا جرم ثابت نہ ہوجائے)۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حتی الامکان سزا سے گریز کیا جائے نہ کہ شبہ کی بنیاد پر انہیں سزا دی جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :”ارفعوا الحدود ما وجدتم له مدفعا“ (سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود)۔(لوگوں کو سزا دینے سے گریز کرو جہاں تک اس کی گنجائش نکل رہی ہو)۔

عمل غیر سے برائت کا حق :

اسی طرح اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کے جرم میں اس کے رشتہ داروں اور متعلقین میں سے کسی کو پکڑا جائے یا اس کی گرفتاری کو یقینی بنانے کے لیے انہیں اذیتیں دی جائیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے :”ولا تکسب کل نفس إلا علیها ولا تزر وازرة وزر أخری“ (الانعام)۔(ہر شخص جو کچھ کماتا ہے، اس کا ذمہ دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔”فان انتهوا فلا عدوان إلا علی الظالمین“ (البقرہ: ١٩٣)۔(پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں)۔

سکونت کا حق :

اسلام کی نظر میں کسی شخص کو اس کے گھر بار سے بے دخل کرنا جائز نہیں، بنی اسرائیل کے جرائم کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے :”وتخرجون فریقا منکم من دیارهم ... وهو محرم علیکم إخراجهم“ (البقرہ: ٨٥)۔(اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں

کر دیتے ہو... حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے حرام تھا)، اسلام جلاوطنی کی سزا صرف مفسدوں اور باغیوں کو دیتا ہے جولوگ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ برپا کرتے ہیں اور دین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے قرآن میں جومختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے :"أو ينفوا من الأرض" (المائدۃ:۳۳)، (یا جلاوطن کر دیئے جائیں)۔

پناہ کا حق :

اگر کوئی شخص کسی علاقے میں ظلم کا شکار ہواوروہ اپنے دفاع پر قادر نہ ہو، تو اسلام اس کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ وہاں سے کہیں اور چلا جائے اور کسی ایسے علاقے میں پناہ لے، جہاں وہ اپنی آزادی اور غیرت نفس کو باقی رکھ سکے "**إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين في الأرض قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها**" (النساء: ۹۷)۔ (جولوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں، توان سے پوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور ومجبور تھے، فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی؟ تم اس میں ہجرت کرتے) اسلام کے نزدیک پناہ حاصل کرنے کا یہ حق تمام لوگوں کو حاصل ہے، خواہ وہ کسی رنگ ونسل کے ہوں اور کسی مذہب کے ماننے والے ہوں "**وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مأمنه**" (التوبہ: ۶)۔ (اور اگر مشرکین میں کوئی شخص پناہ مانگ کرتمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی مامون جگہ تک پہونچادو)۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق :

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو تمام تمدنی حقوق حاصل ہیں، وہ اپنے پرسنل لاء پر عمل کرسکتے ہیں، اپنے نزاعات کے فیصلے خود کرسکتے ہیں، اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں، ان کے مال وجائیداد پر کوئی دست درازی نہیں کرسکتا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"ألا من ظلم معاهدا أو انتقصه أو كلفه فوق طاقة و أخذ شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة"** (سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب تعشیر اہل الذمۃ)۔(خوب اچھی طرح سن لو! جس شخص نے کسی "معاہد" نی پر ظلم کیا یا اس کی عیب جوئی کی یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لیا اور اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے لی، تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف رہوں گا)۔

اسی طرح اسلامی ریاست میں ہر فرد کو خواہ وہ غیر مسلم کیوں نہ ہو، فکر وعقیدہ اور مذہب کی آزادی حاصل ہوتی ہے، البتہ تمام حقوق کی آزادی میں اسلام جہاں فرد کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتا ہے، وہیں اجتماعی نظام کو کسی نقصان سے محفوظ رکھنے کی بھی ہدایات دیتا ہے اور بعض ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن سے ایک دوسرے کے حقوق آپس میں پائمال نہ ہوں بلکہ ہر ایک کے حقوق محفوظ اور منضبط ہوں۔

☆☆☆

دوسرا باب

اسلام میں حقوق انسانی کا تصور

اسلام میں تصورحریت

انسان کو خالق کائنات نے معزز مخلوق کا مرتبہ عطا کیا ہے اور دیگر مخلوقات پر اس کو فوقیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :"**ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (بنی اسرائیل: ۷۰)۔ (ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو بہت سی مخلوق پر فوقیت دی)۔ اس اعزاز کے ساتھ اللہ نے انسان کو دنیا کے کاروبار چلانے کی ذمہ داری بھی سونپی اور احکامات اور حدود میں رہتے ہوئے آزادی بھی عطا کی اور یہ آزادی افراد انسانی کے درمیان مساوات پر مبنی ہے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"**إن ربکم واحد وإن أباکم واحد لآدم وآدم من تراب، إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل إلا بالتقوی**" (رواہ مسلم وأبوداؤد)۔ (اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تم میں سے جو شخص تقوی اور پرہیزگاری میں جتنا بڑا ہوا ہوگا اللہ کے نزدیک اتنا ہی مکرم ہوگا، کسی عرب کو غیر عرب پر اسی طرح کسی غیر عرب کو عرب پر فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے)۔ پیغمبر اسلام کا یہ اعلان قیامت تک کے لیے دستور حیات بن گیا۔ اسی دستور پر تمام خلفاء نے عمل کیا اور اسلامی حکومتوں کے ہر دور میں یہ ملحوظ رہا۔

اسلام میں حریت کا تصور اس بات پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک فرد

واحد سے پیدا کیا وہ آدم تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا، پھر آدم ہی سے ان کا جوڑا بنایا پھر دونوں سے پوری نسل چلی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :"**یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونسائاً**" الخ۔ (اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں پھیلادیا، اور ڈرو اور احتیاط اختیار کرو اپنے رب کے تعلق سے جس کا نام لیکر تم ایک دوسرے سے اپنی مانگیں پوری کراتے ہو اور خیال رکھو اپنی رشتہ داریوں کا اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر نظر رکھتا ہے اور نگرانی کرتا ہے) مذکورہ احتیاطوں اور پابندیوں کے ساتھ اجتماعی زندگی کے جو انتظامی تقاضے ہیں جو حاکم اور رعیت کے درمیان ہوتے ہیں ان کا بھی لحاظ کرنا ہوگا ان دونوں پابندیوں کو آزادی کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ انسانی معاشرہ کی سلامتی اور بہتری کا ذریعہ ہیں، انسان کی آزادی کے لیے ان کی حیثیت محافظ کی ہے، اس کے برعکس آزادی کا جو نعرہ مغربی تمدن نے دیا ہے وہ اسلام کے تصور آزادی سے بہت مختلف ہے، مغرب کے تصور آزادی میں اپنے خالق اور مالک کے حکم سے بھی آزادی ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے ذہنوں سے آخرت کا اور اس میں خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی بنیاد پر جزا وسزا ملنے کا تصور باقی نہیں رہا ان کے یہاں تصور یہ ہے۔

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست نی نی

مغربی تمدن نے انسان کی آزادی کا نعرہ تو دیا ہے لیکن کالے گورے اور مشرقی ومغربی میں فرق کیا ہے۔ مغربی آزادی دراصل خودغرضانہ تصور ہے وہ اس کو اپنی خواہشات اوراغراض کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عورت کے لیے نیم برہنہ لباس پہننے کی آزادی دینے کا مطالبہ کرتے ہیں اور مسلم خواتین کو پردے سے روکتے ہیں یہ معاملہ کالجوں، اسمبلیوں اور دیگر

تمام شعبہائے زندگی میں رہتا ہے۔

لیکن اسلام میں آزادی پر روک صرف ایسے موقع پر صحیح ہے جہاں ایک فرد کی آزادی سے دوسرے فرد یا افراد کی آزادی کو نقصان پہنچتا ہو، لہذا انسان کو صرف وہی آزادی قبول کرنا ہوگی جو اس دنیا میں حاصل اختیارات اور گنجائشوں اور خالق ارض وسماء کے احکامات نیز سوسائٹی کی قدروں کو قبول کر رہی ہو۔

☆☆☆

اسلام کا تصور مساوات

موجودہ دور میں مساوات کا ایسا مفہوم لیا جا رہا ہے جو عدل وانصاف کے تقاضوں کو کسی طرح پورا نہیں کرتا، اس کے برعکس اسلام نے مساوات کا وہ نظریہ پیش کیا ہے جو عدل وتوازن اور فطری تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کرتا ہے، قرآن مجید نے عدل ومساوات کو ''میزان'' سے تعبیر کیا ہے: ''لقد أرسلنا رسلنا بالبينات وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط'' (الحدید: ۲۵)۔ (ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل وہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)۔

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان بہ حیثیت ذات انسانی کے برابر ہے، قرآن کا اعلان ہے: ''يأيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (الحجرات: ۱۳)۔ (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔

مساوات انسانی کے قرآنی منشور کے بنیادی نکات یہ ہیں:

۱– تمام انسان آدم کی اولاد ہونے کی حیثیت سے فطری طور پر برابر ہیں۔

۲– اقوام وقبائل اور اشغال وطبقات میں ان کی تقسیم باہمی تعارف اور انفرادی تشخص کے لیے ہے۔

۳– عزت وشرافت کا واحد معیار خدا ترسی، پرہیزگاری، فرض شناسی اور بلند کرداری ہے۔

مساوات مرد وزن :

دور جدید میں مرد عورت کے مساوات کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ عورت زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے مد مقابل ہے، اس کے بغیر دنیا کا نظام ناقص ہے، اس تصور نے زندگی کے تمام شعبوں میں عدم توازن کا وہ پیمانہ پیش کیا ہے جس سے دنیا خود پریشان ہو رہی ہے۔ حالانکہ طبعیات، جسمانیات، نفسیات اور طب کی تازہ ترین تحقیقات بالکل حکیمانہ تجربات سے ثابت کر رہی ہیں کہ مرد وزن کا صحیح رشتہ ان کے حقیقی صنفی اختلاف پر مبنی ہے۔

قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیات میں بہت ہی بصیرت افروز وضاحت کردی ہے:

۱– **"من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون"** (النحل: ۹۷)۔ (مرد وعورت میں سے جو شخص بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا ہم اسے دنیا میں خوشگوار زندگی بسر کرنے کا موقع دیں گے اور آخرت میں انہیں ان کے بہتر اعمال کا انعام دیں گے)۔

۲– **"لهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة"** (البقرة: ۲۲۸)۔ (عورتوں کے حقوق بھی معروف طریقے پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ لیکن مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔

۳– **"الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم"** (النساء)۔ (مرد عورتوں کے نگہبان ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں)۔

یہ اسلام کا عدل وتوازن ہے جو انسانی فطرت، قانون قدرت اور جدید ترین علمی تحقیقات وانکشافات کے مطابق ہے۔ آیات قرآنی کے مضمرات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصور، مساوات کے اعتبار سے مرد وزن کے انسانی حقوق تو برابر ہیں مگر مرد کے فرائض عورتوں سے زیادہ ہیں۔

آقا وغلام کی مساوات :

شغل ومنصب اور لیاقت واہلیت کے اعتبار سے معاشرے کے افراد برابر نہیں، مواقع ووسائل اور ماحول کے اثرات کا فرق بھی ہوتا ہے، چنانچہ کسی نہ کسی جہت سے آقا وغلام، خادم ومخدوم، حاکم وملازم کا بھی امتیاز ہر دور میں رہا ہے، امیر وغریب اور قوی وضعیف کی بھی تقسیم سماج میں ہمیشہ رہی ہے، تعلیم وتربیت کے بھی مدارج مختلف ہوتے ہیں یہ حیات وکائنات کا فطری تنوع ہے، لیکن قدرت کی اس رنگا رنگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی سماج کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے مستقل کشمکش پیدا کر دی جائے جو فساد کا سبب بن جائے، بلکہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان مفاہمت اور تعاون کی فضا قائم ہوتا کہ باہمی اشتراک عمل سے ایک صالح معاشرہ اور فلاحی ریاست وجود میں آئے اور عام زندگی تفرقہ کے بجائے ترقی کا سامان ہو۔ اور یہ چیز اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ انسان وحدت کی بنیاد پر حریت، مساوات اور اخوت کے اصول پر عمل پیرا ہو، اسی لیے اسلام نے سب سے پہلے قدیم الأیام سے جاری غلامی کو بتدریج خاتمے کے لیے بہت سے مؤثر اقدامات کئے اور اس کے بہتر نتائج سامنے آئے۔ پوری اسلامی تاریخ میں اس کی بے مثال نظیریں موجود ہیں۔

مساوات انسانی کا آخری منشور :

حجۃ الوداع کے موقع سے پیغمبر اسلام خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

مساوات انسانی کا یہ آخری منشور اپنے آفاقی خطبہ میں پیش فرمایا:

"لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے سبب سے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام، تمہارے غلام، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، تمہارا عورتوں اور عورتوں کا تم پر حق ہے نی نی (سیرۃ النبی ۲/۱۶۰-۱۵۸)۔

ساتویں صدی عیسوی کا یہ اسلامی منشور قیامت تک مساوات کا نصب العین ہے جس پر کوئی اضافہ دنیا کا کوئی دوسرا منشور مساوات نہ کرسکا اور نہ آئندہ کرسکے گا۔

قرآن مجید میں انسانی حقوق کے مثبت پہلو:

حقوق انسانی کے بارے میں شریعت اسلامی میں بہت ہی واضح تعلیمات اور ہدایات ملتی ہیں، اگر غور کیا جائے تو انسانی حقوق کا پہلا زینہ اور کلید انسانی مساوات ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیائے انسانیت کے لیے یہ اعلان فرمایا:

۱- **"یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساءاً"** (سورۃ النساء)۔ (لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (یعنی آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلائے)۔

(۲) **"یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم"** (سورۃ الحجرات: ۳۱)۔ (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا)۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات انسانی کے متعلق درج ذیل ہدایات جاری کی ہیں۔

(۱) "إن اللہ أوحی إلی تواضعوا حتی لایفخد أحد علی أحد و لایبغی أحد علی أحد" (مسلم)۔(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے کہ (میں تمہیں حکم دوں کہ) تم سب لوگ انکساری اختیار کرو، کوئی شخص کسی دوسرے پر بالاتری نہ جتائے، اور نہ کوئی دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے)۔

(۲) "إن اللہ أذهب عنكم عبية الجاهلية و فخيرها بالآباء إنما هو مؤمن تقي أو فاجر شقي الناس كلهم بنو آدم و آدم من تراب" (ترمذی، ابوداؤد)۔(اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت، بری باتوں اور آباء واجداد کے کاموں پر فخر کرنے (اور اس بنا پر اپنے کو برا سمجھنے اور دوسروں کو برا سمجھنے) کی گنجائش ختم کردی ہے، اب یا تو پاک باز مومن ہے (جو قابل قدر ہے) یا بدبخت بدکار (جو مستحق سزا ہے) تم سب (ایک ہی باپ) آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے) لہٰذا تکبر کا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا کوئی حق کسی کو نہیں ہے۔

(۳) "أنا شهيد أن العباد كلهم إخوة" (ابوداؤد: ۱/۲۱۱)۔(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ان آیات وروایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، لہٰذا سب کے لیے معاش اختیار کرنے، ملک کی ہر خدمت کا اہل ہونے، ضرورت پر شادی بیاہ کرنے، رہائش کے لیے سر چھپانے کی جگہ، نیز اس طرح تمام حقوق میں فی نفسہ سب برابر ہیں۔ البتہ انسان کے خالق نے انسان ہی کے مفاد میں کچھ پابندیاں لگائی ہیں جس طرح کوئی سرپرست اپنی زیر سرپرستی زندگی گزارنے والے کے لیے اسی مفاد میں پابندیاں لگاتا ہے۔

(۱) "یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباساً یواری سوء اتکم وریشا" (الاعراف:

۳۶)۔(انسانو! تمہارے جسم کے خاص حصوں کو چھپانے اور زینت کے لیے ہم نے لباس دیا)۔

(۲)"**یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً**" (سورۃ البقرہ:۱۶۸)۔(لوگو! زمین کی پیداوار میں حلال طیب چیزیں استعمال کرو)۔

(۳)"**واللہ جعل لکم مما خلق ... وجعل سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم بأسکم**" (النحل:۸۱)۔(اللہ تعالیٰ نے سردی اور گرمی سے بچاؤ کا سامان لباس کے ذریعہ کیا)۔

(۴)"**اللہ الذی ... ومخدلکم ما فی السماوات وما فی الأرض جمیعاً منه**" (جاثیہ:۱۲۰/۱۳)۔(زمین اور آسمان اور ان کے درمیان جتنی چیزیں ہیں وہ سب تمہاری خدمت کے لیے پابند بنائیں)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بلاکسی تفریق وامتیاز کے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے، تاکہ سب انسان بلاکسی تفریق واختیاز کے ان سے فائدہ اٹھائیں۔

احادیث نبویہ اور آثار صحابہ میں حقوق انسانی سے متعلق مثبت پہلو۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اطلبوا الرزق فی خبایا الأرض**" (مجمع الزوائد) بحوالہ (اسلام کا اقتصادی نظام) ص:۱۶۴، از حفظ الرحمن)۔(رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو)۔

(۲)"**مذ کرکم تعبدتم الناس وقد ولوتهم أمهم أحرارا**" (حضرت عمرؓ کا قول، منقول از حسن المحاضرہ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام ص:۱۹)۔(جب سب لوگ پیدائشی طور پر آزاد ہیں تو تم نے (حکام نے) انہیں غلام کیوں بنالیا)۔

مذکورہ آیات وروایات سے انسانی حقوق کے اصول وہدایات واضح طور پر طے

ہیں۔

☆☆☆

اسلام میں شخصی آزادی

اسلام وہ تنہا مذہب ہے جس نے فرد کی شخصی آزادی اور اس کے شخصی حقوق کی حفاظت واحترام کا واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے اور اللہ کی کتاب ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں بار بار اس کی تلقین کی گئی ہے کہ فرد کی عزت نفس اور اکرام مؤمن کا پورا پورا لحاظ اسلامی معاشرہ اور حکومت میں لازمی طور پر کیا جانا چاہئے۔ فرد کی شخصی آزادی اور اس کے انفرادی حقوق کی سب سے بڑی ضمانت خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دی ہے:

''تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسی کہ حج کے اس دن میں حرمت نی نی اسلام نے شخصی آزادی کو جن اہم بنیادی حقوق کے ذریعہ یقینی بنایا ہے، اور جن کی ضمانت فرد کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملی ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) جان ومال کی حفاظت اور انفرادی ملکیت کا حق۔

(۲) سکونت اور نقل وحرکت کی آزادی۔

(۳) عقیدہ فکر وخیال اور مذہب کی آزادی۔

(۴) سعی وجہد اور پیشہ وکاروبار کی آزادی۔

(۵) اجتماع بندی اور تنظیم بندی کی آزادی۔

(۶) تنقید ومحاسبہ کا حق۔

اسلام فرد کے شخصی وقار واحترام کے معاملے میں مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہیں کرتا اور غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کی اسلامی ریاست میں شخصی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔

بقول ڈاکٹر عبدالکریم زیدان : ''اس سلسلہ میں فقہاء نے اصول کو یوں بیان کیا ہے: ''لھم مالنا و علیھم و ما علینا'' یعنی ان کے حقوق وہی ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور ان کی ذمہ داریاں اور ہماری ذمہ داریاں بھی ایک جیسی ہیں (اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام / ۱۰۰)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی اس موقع پر فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ''جس نے کسی ذمی کو ایذا دی تو میں اس کے خلاف کھڑا ہوں گا اور جس کے خلاف میں دنیا میں کھڑا ہوا قیامت کے دن بھی کھڑا ہوں گا'' (الجامع الصغیر للسیوطی ۲ / ۴۷۳)۔

اسی طرح اسلام ہر مذہب کے افراد کے عقیدہ وعبادت کے سلسلہ میں شخصی آزادی کا پورا احترام کرتا ہے، یہ بات واضح ہے کہ اسلام کسی شخص کو اپنا عقیدہ تبدیل کرنے اور اسلام کی شاہراہ اپنانے پر مجبور نہیں کرتا۔ قرآن مجید کی واضح آیت اس معاملے میں رہنما ہے:

''لا إکراہ فی الدین قد الرشد من الغی'' (دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں، بے شک ہدایت کو گمراہی سے الگ کر کے واضح کر دیا گیا ہے)۔ اس سلسلے میں تاریخ اسلام سے بے شمار حوالے دیئے جاسکتے ہیں، سب سے زیادہ اہم وہ خط ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے نام لکھا تھا : ''نجران اور اس کے ملحقہ علاقوں کے لیے ان کے مالوں، مذہب، عبادت گاہوں اور ان کی تمام ملکیتوں کی حفاظت کے لیے اللہ کی پناہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذمہ لیا جاتا ہے'' (بحوالہ کتاب الخراج امام ابو یوسف / ۹۱)۔

اسلام فرد کی شخصی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کی نجی زندگی میں کسی کو تاک جھانک کی اجازت نہیں دیتا اور اسلامی ریاست میں فرد کو تخلیہ کی مکمل آزادی حاصل ہوتی

ہے۔

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے : ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھروں پر سلام نہ بھیج لو اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے الخ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام نے فرد کی شخصی آزادی کے سلسلے میں اعلیٰ درجہ کی انسان دوستی، رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے اور اس معاملے میں مؤمن و کافر کی تفریق نہیں کی گئی ہے، مسٹر ولز کے الفاظ میں : ''اسلامی تعلیمات نے دنیا کے اندر منصفانہ اور شریفانہ طرز عمل کے لیے عظیم روایات چھوڑی ہیں اور وہ لوگوں میں شرافت اور رواداری کی روح پھونکتی ہیں۔ ان کے ذریعہ ایسی سوسائٹی وجود میں آئی جس میں اس کے بیشتر کی ہر سوسائٹی کے مقابلے میں سنگ دلی اور اجتماعی ظلم کم سے کم رہا ہے۔ اسلام نرمی، رواداری، خوش اخلاقی اور بھائی چارہ سے معمور ہوا ہے (بحوالہ: اسلامی تہذیب ۹۳، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی)۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختلف طبقات کے حقوق — اسلام میں

جنین کے حقوق

اسلام میں جنین کے حقوق بھی پائے جاتے ہیں، تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ وصیت، وراثت، ثبوت نسب اور وقف کے باب میں جنین کے حقوق حاصل ہیں۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

(۱) وصیت کے حقوق :

حمل کے لئے وصیت کرنا بھی درست ہے، اسی طرح اگر حمل مملوک ہو تو کسی دوسرے کو حمل کی وصیت کرنا بھی درست ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۳۰)۔ البتہ صحت وصیت کے لیے ضروری ہے کہ حمل والی عورت حمل کو زندہ جنے، یعنی اگر وصیت حمل کے لیے ہے اور حاملہ کا شوہر زندہ ہے تو صحت وصیت کے لیے ضروری ہے کہ اقل مدت حمل یعنی چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو، اور اگر شوہر مر چکا ہے تو ضروری ہے کہ موت کے وقت سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا ہو، شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی شوہر والی عورت کے لیے ضروری ہے کہ چھ ماہ سے کم میں اسے بچہ پیدا ہوا ہو۔ فقہاء کے نزدیک اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ وصیت کے وقت موصیٰ لہ کا موجود رہنا ضروری ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۳۲)۔

(۲) وراثت کے حقوق :

حمل کے لیے وراثت کا ایک متعین حصہ دو شرطوں کے ساتھ روک لیا جائے گا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مورث کی موت کے وقت اس کا وجود ثابت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا

ہو۔ اگر چہ چند منٹ بعد ہی مرجائے تا کہ اہلیت تملیک ثابت ہوجائے ، جمہور کے نزدیک ثبوت حیات کے لیے ضروری ہے کہ مکمل بچہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو اور زندگی کی بعض علامات اس میں پائی جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "إذا استهل المولود ورث" (أبوداؤد عن أبي هريرة)۔

جبکہ حنفیہ کے یہاں زندگی کا معیار یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ زندگی کی حالت میں ماں کے بطن سے باہر آجائے۔

(۳) نسب کے حقوق :

ثبوت نسب کے بارے میں الموسوعۃ الفقھیہ (۱۰۰/۷) پر حاشیہ ابن عابدین کے حوالہ سے مرقوم ہے (فاما حقه فى النسب من أبيه فإنه لو تزوج رجل و أتت إمرأته بولد ثبت نسبه منه)۔

ثبوت نسب کے شرائط: باپ سے نسب ثابت ہونے کے تین شرائط ہیں:

(۱) نکاح صحیح (۲) نکاح فاسد (۳) وطی بالشبہ۔

اگر کسی صحیح نکاح والی عورت کو بچہ پیدا ہوتا ہے تو "الولد للفراش" والی حدیث کی بنا پر وہ بچہ اس شوہر کی طرف مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ منسوب ہوگا۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ شوہر ایسا ہو جس سے حمل کا تصور کیا جا سکتا ہو۔ شوافع و مالکیہ کے نزدیک بلوغت ضروری ہے اور حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک کم سے کم مراہق ہونا ضروری ہے۔ حنفیہ کے یہاں اقل عمر ۱۲ سال اور حنابلہ کے یہاں ۱۰ سال ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ بچہ شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہو۔ حنفیہ مدت کا شمار بوقت نکاح اور جمہور بوقت امکان وطی کرتے ہیں۔

(۳) تیسری شرط عقد کے بعد زوجین کی ملاقات کا امکان پایا جانا ہے، حنفیہ کے

یہاں تصور اور عقلی لقاء کا امکان شرط ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں انسانی فطرت اور عادت کا اعتبار ہے۔ محض عقلی لقاء ثبوت نسب کے لیے کافی نہیں ہے۔

حنفیہ ثبوت نسب کے معاملہ میں کرامت کا اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شوہر مشرق میں ہو اور عورت مغرب میں ہو اور چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو تو بغیر لعان کے لڑکے کی اس سے نفی نہیں کی جائے گی (الفقہ ال إسلامی وأدلتہ)۔

(۴) وقف کے حقوق :

وقف کے بارے میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ نے حمل پر وقف کو جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو، ان فقہاء کے یہاں جواز وقف کی بنیاد جواز وصیت ہے، لیکن شوافع اور حنابلہ کے یہاں حمل کے لیے وقف درست نہیں ہے۔

جنین کی حفاظت اور حاملہ عورت کے حقوق واحکام :

اگر کسی شخص کی جنایت کے نتیجہ میں کسی حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے مردہ حالت میں باہر آ جائے تو جانی کی سزا جنین کی دیت ہے، جو ایک غرہ ہے۔ خواہ ساقط ہونے والا حمل مذکر ہو یا مؤنث ایک غرہ کی قیمت پانچ اونٹ ہوگی، یعنی دیت کا بیسواں حصہ یا اس کے مساوی رقم یعنی پچاس دینار یا اس کے مساوی دراہم ہوں گے۔ جن کے مقدار حنفیہ کے نزدیک پانچ سو درہم اور جمہور کے نزدیک چھ سو درہم ہیں۔

اگر جنین بحالت حیات حاملہ کے بطن سے باہر آ جائے پھر عمداً جنایت کی بنا پر مر جائے تو ضارب پر قصاص بھی واجب ہوسکتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بشرطیکہ جانی کی جنایت اس قسم کی ہو جو عام حالات میں موت تک پہنچا سکتی ہو۔ لیکن حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک اور شوافع کے اصح قول میں چونکہ جنین میں عمدا جنایت کا تصور نہیں، اس لیے اس صورت میں

دیت کاملہ واجب ہوگی اور ضارب اس میں سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔

مختلف مراحل میں جنین کے اسقاط کا حکم:

اسقاط حمل کے احکام میں نفخ روح سے قبل اور نفخ روح کے بعد قدرے فرق ہے، نفخ روح ایک سو بیس دن کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''**إن أحدکم یجمع خلقة فی بطن أمة أربعین یوماً نطفةً ثم یکون علقة مثل ذلک ثم یکون مضغة مثل ذلک ثم یرسل الملک فینفخ الروح**'' نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی حرمت میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نظر نہیں آتا، بلکہ فقہاء کرام کے یہاں اس کی حرمت کی صراحت موجود ہے ''**فقد نصوا علی أنه إذا نفخت فی الجنین الروح حرم الإجهاض إجماعاً وقالوا: إنه قتل بلا خلاف**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/ ۵۷)۔ نفخ روح کے بعد اسقاط مطلق حرام ہے حتی کہ اگر ماں کی زندگی کو خطرہ ہے تب بھی اسقاط کی اجازت نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''**لو کان الجنین حیا ویخشی علی حیاۃ الأم من بقائه فإنه لایجوز تقطیعه**'' اور وجہ یہ بتائی ہے کہ ماں کی موت موہوم ہے اور کسی موہوم کی وجہ سے آدمی کا قتل نہیں کیا جائے گا ''**لأن موت الأم موهوم فلایجوز قتل آدمی لأمر موهوم**'' (الدر وحاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۶۰۲)۔ نفخ روح سے قبل اسقاط کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، ہر ایک مسلک میں دونوں قسم کی آراء موجود ہیں:

''الموسوعۃ الفقہیۃ (۲/ ۵۸)'' میں الفروع کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے: ''**وهو ماذکره بعض الحنفية فقد ذکروا أنه یباح الإسقاط بعد الحمل مالم یتخلق شئ منه**'' یعنی جبکہ حمل کی خلقت نہ ہو اس وقت تک اسقاط جائز ہے۔ فقہا کے یہاں تخلیق کی تحدید نفخ روح ہے، مالکیہ میں لخمی اور شافعیہ میں ابو اسحق مروزی نے تخلیق کی تحدید چالیس دنوں کی ہے۔ ورنہ عام فقہاء کے نزدیک اس کے لیے چار ماہ کا عرصہ ہے۔ رملی نے زنا کے نطفہ کو چالیس دن سے

قبل ضائع کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء کے نزدیک نفخ روح سے قبل اسقاط جائز ہے۔لیکن عام حالات میں مطلق جواز کا قول بہت سارے مفاسد پیدا کرے گا۔ احادیث میں عزل کی اجازت بھی ہے لیکن اللہ کے رسولؐ نے اسے ''الواد الخفی فی‘‘ بھی کہا ہے، اور اسقاط یقیناً عزل سے آگے کی چیز ہے۔ معاشرتی بگاڑ کی بنا پر مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لیے زحمت سمجھنے لگا ہے۔ یہ بھی بعید نہیں کہ کچھ لوگ بچیوں کی ولادت اپنے لیے باعث عار سمجھتے ہوں اور دور جاہلیت کے احساسات ''**وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودوهو كظيم**‘‘ کی صورت حال پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا ان حالات میں اسقاط کا تعلق ننانوے فیصد لڑکیوں کے ساتھ ہوگا، نتیجہ انسانی آبادی عدم تناسب کا شکار ہو جائے گی، اس لیے نفخ روح سے قبل بھی اسقاط کا جواز بعض ناگزیر حالات تک محدود رہے گا جس کا فیصلہ مستفتی کی صورتحال کے جاننے کے بعد کوئی مفتی کر سکتا ہے۔

شکم مادر سے باہر جنین کی نشوونما کی شکلیں :

شکم مادر سے باہر جنین کی نشوونما کی پانچ معروف شکلیں ہمارے سامنے ہیں۔ چار شکلوں کی حرمت پر عصر حاضر کے علماء متفق ہیں اور پانچویں شکل میں بھی عدم جواز ہی راجح ہے اگرچہ اس میں جواز کا قول بھی موجود ہے۔

(۱) پہلی شکل کی صورت یہ ہے کہ بیوی کے انڈے کو شوہر کے مادہ منویہ سے بارآور کر کے کسی دوسری عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جائے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ میاں بیوی کے نطفہ اور بویضہ کو بارآور کر کے کسی اجنبی عورت کے رحم میں ڈال کر اس کی پرورش کی جائے، لیکن یہ عمل زوجین کی وفات کے بعد کیا جائے گا۔ گویا ان کا مادہ منی بینک اور بویضہ بینک سے حاصل کیا جائے۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ بیوی کے بویضہ کو اجنبی مرد کے نطفہ کے ساتھ بارآور کیا

جائے یہ صورت اس وقت اختیار کی جاتی ہے جبکہ شوہر بانجھ ہو اور عورت یعنی بیوی کے رحم میں کوئی خلل ہو لیکن بیضہ دانی صحیح ہو۔

(۴) چوتھی شکل یہ ہے کہ شوہر کا نطفہ اس کی بیوی کے علاوہ کسی اجنبی عورت کے بیضہ کے ساتھ بارآور کیا جائے اور پھر اسے دوسری اجنبی عورت کے رحکم میں ڈال کر اس کی پرورش کی جائے یہ صورت اس وقت اپنائی جاتی ہے جب بیوی کا رحم اور بیضہ دانی دونوں خراب ہوں یا وہ عورت مایوسی کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ رحم مادر کے باہر جنین کے نشوونما کی یہ چاروں شکلیں حرام ہیں، کیونکہ ان سب میں ایک ناجائز چیز مشترک ہے اور وہ یہ کہ ایک مرد کے نطفہ کی پرورش ایک ایسی عورت کے رحم میں ہو رہی ہے جو نہ اس کی بیوی ہے اور نہ ہی باندی، جبکہ تیسری اور چوتھی شکل اور قبیح تر ہے کیونکہ اس میں ایک تیسری رکاوٹ کا مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ یہ کہ شوہر کے نطفہ کو اجنبی عورت کے بیضہ کے ساتھ بارآور کیا گیا یا بیوی کے بیضہ کو اجنبی مرد کے نطفہ کے ساتھ، یہ چاروں شکلیں مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز نہیں۔

(۵) پانچویں شکل یہ ہے کہ بیوی کے بویضہ کو شوہر کے نطفہ سے بارآور کر کے اسی مرد کی دوسری بیوی کے رحم میں اس کی پرورش کی جائے یہ پانچویں صورت اس وقت اختیار کی جاتی ہے جبکہ کسی مرد کے رحم میں اس کی بیضہ دانی صحیح سالم ہو۔ لیکن رحم میں کوئی خرابی ہو، جبکہ دوسری بیوی کا رحم صحیح سالم ہو اور بیضہ دانی میں کوئی خرابی ہو، گویا اس صورت میں ایک سوکن دوسری سوکن کے بچہ کی پرورش کے لیے اپنا رحم رضا کارنہ طور پر دے رہی ہے، اگرچہ بعض ناگزیر حالات میں جملہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ اس شکل کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن موجودہ دور کے بگاڑ کو دیکھتے ہوئے اس شکل کو ممنوع قرار دینا ہی زیادہ راجح ہے۔

اسلام میں بچوں کے حقوق :

اسلام نے نسل انسانی کی بقا و افزائش کے لیے اور کائنات انسانی کو شاد و آباد رکھنے کے لیے نکاح کی ترغیب دی۔ اور اسکو سنت اور عبادت قرار دیا، بعض دوسرے مذاہب کی طرح اس نے رہبانیت اور نیچر کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ نکاح کے ذریعہ جنسی خواہش کو پورا کرنے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی۔ رسول اکرمؐ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **"یا معشر الشباب من استطاع منکم البائة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه فإنه له وجاء"** اللہ تعالیٰ نے غیر شادی شدہ لوگوں کی شادی کرنے کا حکم دیا اور اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا کہ اگر معاشی کمزوری اس راہ میں رکاوٹ ہے تو کیا بعید ہے کہ نکاح کی برکت سے اس کا ازالہ ہو جائے **"وأنکحو الأیامی منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم، إن یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله"** (سورۂ نور: ۲۳)۔

اسلام کی نظر میں نکاح کا ایک بڑا مقصد حصول اولاد ہے، لہٰذا اسلام نے ایسی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی جس سے زیادہ بچے پیدا ہونے کی امید ہو۔ ارشاد نبوی ہے: **"تزوجوا الودود الولود فإنی مکاثر بکم الأمم یوم القیامة"** اولاد کی خواہش انسان کی ایک فطری خواہش ہے۔ اسلام نے انسان کی اس خواہش کی تحسین کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی اپنی بڑی نعمت اور احسان قرار دیا کہ اس نے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور اس ازدواجی رشتہ سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ارشاد خداوندی ہے: **"والله جعل لکم من أنفسکم أزواجا وجعل لکم من أزواجکم بنین حفدة"** (سورہ نمل: ۷۲)۔ اسلام نے بچے کی پیدائش کو انتہائی مسرت بخش واقعہ قرار دیا اور اس موقع سے تہنیت کو مستحسن و مستحب قرار دیا، خود قرآن کریم میں ولادت کی بشارت کے متعدد واقعات بڑی اہمیت سے مذکور ہیں، لڑکے کی طرح لڑکی کی پیدائش بھی انتہائی فرحت و مسرت کا مقام ہے، اس کی پیدائش پر خوش

ہونے اور اللہ کا شکر بجالانے کے بجائے افسردہ غمگین ہونا، لڑکی کی پیدائش کو عار اور نحوست تصور کرنا خالص جاہلی طریقہ ہے جسے اسلام نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا، دور جاہلیت کی اس غیر انسانی رسم کا ذکر قرآن کریم نے بڑی بلاغت سے کیا ہے، اور اس کی شناعت بیان کی ہے ارشاد باری ہے :"وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم، يتوارى من القوم من سوء ما بشر به، أيمسكه على هون أم يدسه في التراب ألا ساء ما يحكمون"۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ لڑکیوں کے بارے میں دور جاہلیت کے تصور نحوست کو اکھاڑ پھینکا بلکہ بچیوں کی پرورش و تربیت اور ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کو بڑا کار ثواب شمار کیا۔ اور لوگوں کو جنت کی بشارت دی، لیکن افسوس دور جاہلیت میں لڑکیوں کو منحوس اور نامسعود سمجھنے نیز انہیں قتل اور زندہ دفن کرنے کی جو رسمیں تھیں وہ ماڈرن جاہلیت کے دور میں بھی نئے رنگ وروپ میں موجود ہیں، لڑکی پیدا ہونے کی خبر آج بھی فرحت بخش ہونے کے بجائے ماں باپ اور گھر والوں پر بجلی بن کر گرتی ہے۔ اس خبر سے چہرے افسردہ اور مضمحل ہوجاتے ہیں، بسا اوقات پیدا ہونے والی بچی کی ماں کو بڑے طعنے سننے پڑتے ہیں، ساس نندوں وغیرہ کے طعنوں سے اس کا سینہ چھلنی ہوجاتا ہے۔ کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ لڑکی پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آئے، ایام حمل میں طبی جانچ کرا کے یہ معلوم کرلیا جاتا ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اگر یہ رپورٹ ملتی ہے کہ لڑکی ہے تو ماہر ڈاکٹروں کی مدد سے اسقاط حمل کرالیا جاتا ہے تاکہ ننھی سی معصوم جان زندہ حالت میں اس کائنات میں آنکھ نہ کھول سکے اور اس کے زندہ پیدا ہوجانے سے گھر والوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

اسلام نے بچوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ بچوں کے بلاوجہ بے رخی، شدت کا برتاؤ کرنا۔ انہیں جھڑکنا، پھٹکارنا، اسلامی آداب واخلاق کے

خلاف ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے :"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویعرف حق کبیرنا" (وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑے کا حق نہیں پہچانا)۔

یتیموں کے حقوق :

اسلام نے نابالغ یتیم بچے بچیوں کو ظالموں کی دست برد سے محفوظ رکھنے، ان کے حقوق کی حفاظت کرنے اور سماج میں ان کو باعزت مقام دلانے کے لیے بڑی واضح اور قطعی ہدایات دیں، اس سلسلے میں قرآن پاک کی چند آیات اور احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں :"إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما إنما یأکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا" (بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے)۔

"وآتوا الیتامی أموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تأکلوا أموالهم إلی أموالکم إنه کان حوبا کبیراً" (نساء:۲۰) (اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو اور پاکیزہ کو گندی چیز سے مت تبدیل کرو اور ان کا مال مت کھاؤ اپنے مال کے ساتھ، بے شک یہ بہت بڑا گنا ہے)۔

یتیموں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانے کے بارے میں اس طرح کی شدید آیات نازل ہونے کا اثر یہ ہوا کہ جن لوگوں کی کفالت میں یتیم بچے تھے انھوں نے حد درجہ احتیاط شروع کردی، گھروں میں یتیموں کا کھانا الگ سے پکایا جانے لگا تاکہ یتیموں کا کھانا گھر والوں کے استعمال میں بالکل نہ آئے۔ یتیم کے لیے اس کے مال سے تیار کیا ہوا کھانا خواہ خراب ہی ہوجائے گھر والے اس کو استعمال نہیں کرتے تھے، اس سے یتیم بچوں کو تنہائی اور اجنبیت کا

احساس ہونے لگا، یتیموں کے یہ احساسات نبی اکرمؐ تک پہونچے۔اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی :"**ویسئلونک عن الیتمی قل إصلاح لهم خیر، وإن تخالطوهم فإخوانکم والله یعلم المفسد من المصلح ولو شاء الله لأعنتکم إن الله عزیز حکیم**" (البقرہ:۲۲۰) (اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ اس کی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی (ہی) ہیں۔اللہ کو علم ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون، اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا، اللہ تعالیٰ یقیناً زبردست ہے حکمت والا ہے)۔

یتیموں پر خرچ کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم وتلقین تو بہت ساری آیات میں کی گئی ہے۔اور مختلف آیات میں بتایا گیا ہے کہ یتیموں کو دھوکہ دینا ان کے حقوق غصب کرنا، انہیں کھانا نہ کھلانا۔انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنا اہل جہنم کی صفات وافعال ہیں۔

یتیم بچے کی کفالت اور ان کے اموال ومصالح کی نگہداشت کرنے کی بڑے فضائل احادیث نبویہ میں آئے ہیں، حضرت مرہ فہریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا : "**أنا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا وقال بإصبعیه السبابة والوسطی**" حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا : "**خیر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یحسن إلیه، وشر بت فی المسلمین بیت فیه یتیم یساء إلیه۔أنا وکافل الیتیم فی الجنة کهاتین یشیر بإصبعیه**"۔

اسلام نے یتیموں کے اموال اور ان کے حقوق ومصالح کی حفاظت کے سلسلے میں صرف اخلاقی تعلیمات دینے اور ایمانی جذبات کو ابھارنے پر اکتفانہیں کیا، بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اس مقصد کے لیے مستحکم قانونی اور انتظامی نظام بھی قائم کیا، قاضی پر یہ بھی ذمہ داری عائد کی

گئی کہ وہ اپنے علاقہ قضا کے یتیموں کی فہرست تیار کرائے۔جن یتیموں کے اموال وحقوق کی نگہداشت کے لیے پہلے سے ''وصی نی نی مقرر نہ ہوں ان کے لئے امانت دار اور سمجھدار وصی مقرر کرے، یتیموں کے اوصیاء کی کارگزاریوں پر گہری نظر رکھے۔ضرورت سمجھے تو تفصیلی حسابات بھی چیک کرے۔

ایک نومولود بچے کا مسئلہ بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے، اس کی حفاظت وبقا، جسمانی ونفسیاتی نشوونما اور مفید تعلیم وتربیت کے لیے بڑی نگہداشت اور مستحکم اخلاقی اور قانونی حصار کی ضرورت ہے۔اسی وجہ سے خالق کائنات نے اسلامی شریعت کے تفصیلی احکام کے ذریعہ بچے کی مادی اور معنوی حقوق کی مکمل حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے احکام :

بچوں کے حقوق میں سے ایک اہم اور بنیادی حق تعلیم وتربیت ہے، باپ، دادا یا جو شخص بھی بچے کا ولی ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم کا مرحلہ آنے پر بچے بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرے۔تعلیم وتعلم انسانوں کی ایک اہم خصوصیت ہے۔فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کو فضیلت علم کی بنا پر حاصل ہوئی، قرآن پاک کی متعدد آیات اور بے شمار احادیث نبویہ سے علم کی غیر معمولی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

باپ، دادا اور دوسرے سرپرستوں کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ اولاد کی خوراک وغذا اور ان کی صحت اور نشوونما کا خیال رکھیں، بلکہ ان کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت، انہیں دینی اور دنیوی علوم سے آراستہ کرنا، اور ان کی کردار سازی بھی ان لوگوں کے ذمہ ہے، سورہ تحریم کی آیت ہے :"يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا وقودها الناس والحجارة" (التحریم:٦)۔(مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن

آدمی اور پتھر ہیں)۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں : ''بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا :''قوا انفسکم'' تو اس میں اولاد بھی داخل ہوگئی۔ کیونکہ انسان کی اولاد اس کا ایک حصہ ہی ہے۔ لہٰذا انسان کی ذمہ داری ہے کہ بچے کو حلال وحرام کی تعلیم دے اور اسے معاصی وآثام سے بچائے، اس کے علاوہ دوسرے احکام بھی۔ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ ہم اپنے آپ کو آگ سے بچالیں، لیکن اہل وعیال کو کس طرح بچاسکتے ہیں؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: تم ان لوگوں کو ان چیزوں سے روکتے ہو جن سے تم کو اللہ نے روکا ہے۔ اور انہیں ان باتوں کا حکم دیتے ہو جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے نی نی۔

بہت سے مفسرین نے اس آیت سے اولاد کی تعلیم کا وجوب ثابت کیا ہے، کیونکہ اس آیت کے مطابق اہل وعیال کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کی ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوتی ہے اور اولاد وغیرہ کو جہنم سے بچانے کی صورت یہی ہے کہ انہیں دین کے عقائد اور ضروری احکام کی تعلیم دی جائے۔ صحیح اسلامی تربیت کی جائے، طاعات کرنے اور معاصی کو چھوڑنے کی تلقین کی جائے۔ ایک مشہور حدیث جو صحیح بخاری اور دیگر کتب میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے، اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں والدین کی عظیم ذمہ داری اور مسئولیت کو اجاگر کرتی ہے، **''عن أبی هريرةؓ أنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كمثل البهيمة تنتج البهيمة هل ترى فيها جدعاء''** اس حدیث میں عام طور پر محدثین نے ''فطرت نی نی سے دین حق یعنی اسلام مراد لیا ہے، فرمان نبوی کے مطابق دنیا میں پیدا ہونے والا ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اسے دین فطرت سے پھیرنے والے والدین ہوتے ہیں، ماں باپ کی تعلیم

وتربیت ہی سے وہ یہودی، نصرانی یا مجوسی بنتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ دین فطرت جس پر بچہ پیدا ہوا ہے اس پر بچے کو باقی رکھنا اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ اس کو استحکام بخشنا والدین کی اہم ترین ذمہ داری اور فریضہ ہے۔

صرف دین ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی ضروری تعلیم بھی اولاد کو دی جائے گی، والدین خصوصاً باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے بچیوں کو ان کے مستقبل کی زندگی مدنظر رکھتے ہوئے دنیاوی امور کی ایسی تعلیم دلائے جن سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور معاش کا ضروری وجائز انتظام کرنے میں سہولت ہو۔

بچے کے اس دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اس کا ایک اہم ترین حق یہ بھی ہے کہ اس کے ماں باپ سے اس کا نسب ثابت ہو۔ نسب کو محفوظ کرنے کے مقصد سے اسلام نے زنا کو بدترین گناہوں میں شمار کیا اور جرم زنا کی سزا انتہائی سخت اور عبرت ناک رکھی، ایک ایک کر کے زنا کے تمام اسباب ومحرکات پر پابندی عائد کی۔ ان کا قلع قمع کیا، مرد وزن کے آزادانہ اختلاط، بے پردگی، بے حیائی وغیرہ پر بندشیں عائد کیں۔ تا کہ زنا اور ناجائز جنسی تعلقات کا ناسور سماج سے ختم ہو، جس کے نتیجہ میں ناجائز اور غیر ثابت النسب بچوں کی فوج سماج کے لیے سوہان روح بنتی ہے۔

رضاعت کا حق :

پیدا ہونے کے بعد نسب کے علاوہ بچے کا ایک دوسرا بنیادی حق رضاعت (دودھ پینے) کا ہے، یہ نومولود بچے کی غذائی ضرورت ہے۔ رضاعت کی اہمیت کی بنا پر خود قرآن پاک میں اس کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں۔ ماں کے علاوہ جو عورتیں بھی کسی بچے یا بچی کو دودھ پلاتی ہیں ان سب کو اللہ کے قانون نے ایک طرح سے ماں کا درجہ دیا ہے، خواہ دودھ

پلانے کی مدت کتنی ہی مختصر ہو۔نسبی ماں کی طرح رضاعی ماں (دایہ) سے نکاح کوحرام قرار دیا ہے۔حدیث نبوی کی رو سے حرمت کے وہ تمام رشتے رضاعت سے پیدا ہوتے ہیں جونسب سے پیدا ہوتے ہیں۔رضاعت کے بارے میں چند آیات قرآنی ملاحظہ ہوں :(۱)"حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم - وأمهاتكم التي أرضعنكم وأخواتكم من الرضاعة" (النساء: ۲۳)۔

(۲) "والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة" (البقرہ: ۲۳۳)۔

(۳) فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن وأتمروا بينكم بمعروف، وإن تعاسرتم فسترضع له۔خري" (الطلاق:٦)۔

چندسال قبل ڈاکٹرحضرات پورے زوروشور سے اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ بچوں کو ماں کا دودھ نہ دیا جائے بلکہ مصنوعی جونومولود بچوں کے لیے کمپنیاں تیار کرتی ہیں وہ استعمال کرایا جائے،لیکن اب میڈیکل سائنس کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کے لیے سب سے بہتر غذا اس کی ماں کا دودھ ہے۔

ماں کا دودھ پلانا صرف بچے کے لیے اکسیر ہے بلکہ ماں کے لیے امراض کش اور شفا بخش ہے،جوعورتیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں ان کے مختلف امراض میں خصوصاً پستان کے کینسر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قرآن کی رو سے یہ ماں کا وظیفہ ہے کہ اپنے مولود بچے کو دودھ پلائے،کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کا نمبر درجۂ مجبوری میں ہے،کیونکہ بچہ اپنی ماں کا جزء ہے۔

اسلام میں بوڑھوں کے حقوق :

اسلام نے اپنی وسیع تعلیمات اور احکام میں تمام طبقہ انسان کے حقوق کا خیال کیا ہے، کمزوروں اور بوڑھوں کے حقوق بھی بیان کیا ہے، بوڑھے والدین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :"إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف و لا تنهرهما وقل لهما قولا كريما" (بنی اسرائیل: ۲۴)۔(اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بوڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی)۔

دیگر عام بوڑھوں کے متعلق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا" (م ص: ۴۲۳)۔(ہم میں سے وہ نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے)، کہیں کہا گیا :"إن من اجلال الله إكرام ذی الشيبة المسلم" (مشکوۃ ص: ۴۲۳)۔(اللہ کے اکرام میں سے یہ ہے کہ مسلمان سفید ریش والوں کا اکرام کیا جائے) ایک حدیث میں ان الفاظ میں تنبیہ کی گئی:

ما اكرم شان شيخاً من أجل سنه إلا قبض الله له عن سنه من يكرهه (م ص: ۳۱۲)

(جو نوجوان کبرسنی کی وجہ سے بوڑھے کا اکرام نہیں کرے گا وہ خود بڑھاپے میں اپنے اکرام کرنے والوں سے محروم رہے گا)۔

اسلام نے اپنی تعلیمات میں اہل اسلام کے لئے ایسی ترغیبات اور حقوق دیئے ہیں جن سے معاشرہ کے ہر فرد کے ساتھ انصاف اور اکرام کا معاملہ ہو، آج کے مادہ پرستانہ سماج کی سوچ یہ ہے کہ جو بوڑھا آدمی کمانے کے لائق نہیں رہا وہ گھر اور سماج کے اوپر بوجھ بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بوڑھوں کو وہ مقام حاصل نہیں جو ان کو ہونا چاہئے اور انہیں اولڈ ہوم پہنچا دیا جاتا ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بوڑھے لوگ ہمارے سماج کے لئے اللہ کی رحمت کی علامت

اور ان کا سایہ ہمارے لئے باعث برکت ہے۔ اور وہ ہر طرح سے ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔

اسلام میں مریضوں کے حقوق:

ا–صحت ومرض کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر: اسلامی نقطۂ نظر سے صرف صحت ہی نعمت نہیں بلکہ مرض بھی ایک نعمت ہے۔ فرمان نبوی ہے : "من یرد الله به خیرا یصیب منه" (رواہ البخاری، مشکاۃ ر ۱۳۴)۔ (حق تعالیٰ جس کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں ڈالتے ہیں)۔ صحت ہو یا مرض سب اللہ کی طرف سے ہے، مرض چونکہ ظاہراً ایک پریشانی کی چیز ہے اس لئے اسلام نے یہ تصور دیا کہ یہ بداعمالیوں کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے اور رفع درجات کا ذریعہ بھی۔

اس سلسلہ کی احادیث ملاحظہ ہو : "مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولاهم ولا حزن ولا أذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفر الله بها من خطاياه" (متفق علیہ مشکاۃ ر ۱۳۴)۔ (کسی مسلمان کو جو بھی دکھ درد، بیماری، پریشانی، رنج وتکلیف یا غم وصدمہ پہنچتا ہے حتی کہ کانٹا بھی اگر چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی خطاؤں کو معاف کردیتے ہیں)، ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : "لا أذن أحدا من الدنيا أريد أغفر له حتى استوفى كل خطيئة فى عنقه بسقم فى بدنه واقتار فى رزقه" (مشکاۃ ر ۱۳۸، رواہ رزین)۔ (جس کو میں دنیا سے مغفرت کے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تو اس کی ایک ایک خطا کو بدن کی بیماری یا مالی تنگی کے ذریعہ حساب کرلیتا ہوں) اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے "لاتسبوا الحمى فإنها تذهب خطايا بنى آدم كما يذهب الكيلد خبث الحديد" (رواہ مسلم مشکاۃ ر ۱۲۵)، (بخار کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ بخار انسانوں کے گناہوں کو ایسے

ہی دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے)، نیز ارشاد نبویؐ ہے ”**إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله بعمله ابتلاه فی جسده أو فی ماله أو فی ولده ثم صبره علی ذلک حتی يبلغه المنزلة التی سبقت له من الله**“ (رواہ احمد وابوداؤد وکشاۃ ص: ۱۳۷، ضعیف ولکن لہ شواہد کما جاء فی ہامش جامع الاصول الاصول ۹/ ۵۸۴ و ۵۸۵)۔(کسی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی ایسا مرتبہ ودرجہ طے ہوتا ہے جس تک وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا مال یا اولاد کی رو سے آزمائش میں ڈال کر صبر دیتے ہیں، حتی کہ اس مرتبے تک پہنچاتے ہیں جو اس کے لیے طے کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے ”**إن المؤمن إذا أصابه السقم ثم عافاه الله عز و جل منه كان كفارة لما مضى من ذنوبه و موعظة له فيما يستقبل**“ (رواہ ابوداؤد مشکاۃ/ ۱۱۳/۱ اسنادہ ضعیف حاشیہ جامع الاصول ۹/ ۵۸۳)،(مومن جب بیمار ہو کر شفا پاتا ہے۔ تو اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور آئندہ اس کو نصیحت ہوتی ہے، بسا اوقات بیماری اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور تقرب کا ذریعہ بنتی ہے)۔ آپؐ کا فرمان ہے : ”**إذا دخلت علی مريض فمره يدعو لک فإن دعائه كدعاء الملائكة**“ (رواہ ابن ماجہ مشکاۃ/ ۱۳۸ رجالہ... لانہ منقطع زوائد ابن ماجہ ۱/ ۵۹)۔(جب کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے، اس لئے کہ اس کی دعاء ملائکہ کی دعاء کے مانند ہوتی ہے)، اسی محبوبیت ومقبولیت کی وجہ سے مریض کی رعایت بھی کی جاتی ہے حدیث نبوی ہے :”**إذا مرض العبد أو سافر كتب له بمثل ما كان يعمل مقيما صحيحا**“ (رواہ البخاری مشکاۃ/ ۱۳۵)،(جب بندہ بیماری یا سفر میں ہوتا ہے تو صحت واقامت کے حال کے اعمال اس کے لیے لکھے جاتے ہیں) مذکورہ روایتوں سے مرض اور مریضوں کے سلسلہ میں یہ اسلامی نقطۂ نظر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ مرض اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ایک تنبیہ ہے، وہیں یہ رفع درجات اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور مریضوں کی عیادت وخدمت باعث واجر وثواب ہے۔

علاج کی شرعی حیثیت:

اسلام نے دیگر معاملات کی طرح تقدیر پر راضی رہنے کے ساتھ علاج ومعالجہ کی اجازت ہی نہیں بلکہ حسب موقع اس کو ضروری قرار دیا ہے، حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے: "**تداووا یاعبداللہ**" (فتح الباری ۱/ ۱۳۵)، (اللہ کے بندو دوا کیا کرو)۔ ایک حدیث میں آیا ہے: "**قالوا یا رسول اللہ أفنتداوی؟ قال: نعم یا عباد اللہ تداووا فإن اللہ لم یصنع داء إلا وضع له شفاء**" (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد، مشکاۃ ۱۸۸/ وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح)، (صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم دوا کیا کریں؟ فرمایا: ہاں! اے اللہ کے بندو دوا کیا کرو، اس لئے کہ اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے، اس کی دوا بھی لکھی ہے)۔ اس سلسلے میں قاضی مجاہد الاسلام کی رائے بہت ہی متوازن معلوم ہوتی ہے موصوف فرماتے ہیں:

عام حالات میں تو دوا علاج محض جائز ومباح ہے۔ لیکن جبکہ جسم انسانی مرض کی وجہ سے شدید اذیت کا شکار ہو اور اللہ کی پیدا کی ہوئی جڑی بوٹی اور دواؤں کے ذریعہ اس کی تکلیف سے دور ہوجانے کا ظن غالب ہو یا بظاہر حال تحقیق وتجربہ کی روشنی میں اس مرض کے ہلاک ہونے کا ظن غالب ہو اور ان اسباب اور دواؤں تک علم انسانی کی رسائی ہوچکی ہو، جنہیں اللہ نے ان امراض سے نجات کے لیے پیدا کیا ہے اور ظن غالب ہو کہ ان دواؤں کے استعمال سے یہ مہلک مرض دور ہوجائے گا اور ہر دو صورت میں ان دواؤں کا استعمال بس میں ہو، تو ایسی صورت میں ایسی دواؤں کا استعمال نہ کرنا اور نفس کو تکلیف وہلاکت میں یہ کہہ کر ڈالتے رہنا کہ علاج محض مباح ہے بڑی سخت بات ہے (بحث ونظر شمارہ ۲، ص: ۴۲، ۴۹)۔

☆☆☆

چوتھا باب

مختلف ممالک میں اقلیتوں کے حقوق

مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق یا اسلامی مملکت میں ذمیوں کے حدود واختیارات اورحقوق وواجبات پر تفصیلی گفتگو سے پہلے ایک اہم اصول پیش نظر رہے کہ پانچ اساسی ضروریات جو تمام تر اسلامی تعلیمات کا محور اور شریعت کا مدار ہیں، یعنی حفاظت دین، حفاظت نفس، حفاظت نسل، حفاظت مال اور حفاظت عقل ان بنیادی ضرورتوں کے سلسلہ میں مسلم وغیر مسلم، اہل کتاب وغیر اہل کتاب اور معاہد وذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ مسلم ریاست کے زریں دور میں غیر مسلموں کے جس طبقے سے متعلق تفصیلی احکام وضع اور نافذ ہوئے، انہیں فقہی اصطلاح میں اہل ذمہ یا ذمی کہا جاتا ہے، آئندہ سطور میں انہی ذمیوں کے متعلق اسلامی احکام اور تعلیمات پیش ہوں گی۔

دستور مدینہ اور غیر مسلموں کے حقوق :

نبوت کے تیرہ سال بعد رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ کے مسلمان اوس وخزرج کے سرداروں کے ساتھ ایک باضابطہ تحریری معاہدہ کیا اور اس طرح گویا تاریخ انسانی میں پہلی بار تحریری دستور مرتب ہوا۔ یہ معاہدہ اگرچہ بنیادی طور پر انصار کے دونوں بڑے قبائل اوس وخزرج کے درمیان تھا، مگر اس میں مدینہ کے یہودیوں اور ان کے تین بڑے قبیلوں: بنو قریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کو بھی شامل کیا گیا، یہ دستور مسلم ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق واختیارات اور فرائض وواجبات کی اساس اور بنیاد ہے، اسی لئے اس دستور کی اہم دفعات بہت سی کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں، اسی طرح کتب تاریخ وتراجم مثلاً طبقات ابن سعد،

تاریخ طبری، فتوح البلدان اور تاریخ بغداد وغیرہ میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مشہور امام سیر ومغازی محمد بن اسحاق نے پوری دستاویز بیان کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دستور کی وہ دفعات جو یہودیوں سے متعلق ہیں، درج کردی جائیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلم ریاست میں غیر مسلم رعایا کے کیا حقوق واختیارات ہیں، اور وہ دستور یہ ہیں :

۱۔ یہود میں سے جو شخص بھی ہماری اتباع کرے گا، اسے ہماری مدد اور مساوات حاصل ہوگی، جب تک وہ مسلمانوں پر ظلم نہ کریں اور نہ ہی ان کے خلاف غیروں کی مدد کریں۔

۲۔ یہود، مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے جب تک وہ دونوں دشمن کے ساتھ حالت جنگ میں رہیں۔

۳۔ یہود بنی عوف مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم سمجھے جائیں گے، یہودی اپنے مذہب پر عمل کریں گے، مسلمان اپنے دین پر ہیں اس میں وہ خود اور ان کے موالی دونوں شامل ہوں گے، لیکن جو جرم کرے گا یا غداری کا مرتکب ہوگا، وہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے خاندان ہی کو ہلاکت وبربادی میں ڈالے گا۔

۴۔ اسی معاملہ کے تئیں وفاداری اختیار کی جائے گی، غداری نہیں کی جائے گی۔

۵۔ ان میں سے کوئی بھی شخص محمدؐ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لئے گھر سے نہیں نکلے گا۔

۶۔ زخم کا بدلہ لینے سے کسی کو بھی منع نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر کسی نے دانستہ طور پر کسی کو قتل کردیا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ الا یہ کہ وہ مظلوم ہو۔

۸۔ اللہ تعالیٰ اس معاہدے کا بہترین محافظ ہے۔

۹۔ یہود اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات۔

۱۰۔ اگر کوئی اس معاہدہ میں شامل کسی سے جنگ کرے تو سب اس کے خلاف اس کی

مدد کریں گے۔

۱۱۔ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے اور باہم مشورہ کریں گے۔

۱۲۔ کوئی بھی آدمی اپنے حلیف کے ساتھ غداری نہیں کرے گا۔

۱۳۔ یثرب اس صحیفے والوں کے لئے حرم پاک ہوگا۔

۱۴۔ پناہ گزیں، پناہ دینے والے ہی کی مانند ہوگا، نہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ہی وہ غداری کرے گا۔

۱۵۔ اہل خاندان کی اجازت کے بغیر کسی بھی عورت کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۶۔ اگر کسی دستاویز کے ماننے والوں کے درمیان کوئی ناخوشگوار بات پیش آئے یا کوئی تنازعہ پیدا ہو جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول محمدؐ کے حوالے کیا جائے گا۔

۱۷۔ نہ تو قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ہی قریش کی مدد کرنے والوں کو۔

۱۸۔ جو شخص یثرب پر حملہ آور ہوگا، اس کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۱۹۔ معاہدے کے تمام شرکاء کسی بھی صلح میں برابر کے شریک ہوں گے، اس کی پابندی کریں گے۔ جب وہ اس طرح کے کام کے لئے بلائیں گے تو مسلمانوں پر بھی اس کی پابندی اسی طرح لازم ہوگی، سوائے اس آدمی کے جو دین کی خاطر جنگ کرے۔

۲۰۔ ہر فریق اس حصہ کا ذمہ دار ہوگا، جو اس کی جانب ہو۔

۲۱۔ قبیلہ اوس کے یہودی، ان کے موالی اور خود ان کے لئے بھی وہی باتیں لازم ہوں گی، جو اس معاہدہ کے شرکاء کے لئے ہیں، بشرطیکہ وہ اس صحیفے والوں کے ساتھ بھرپور وفاداری کریں گے۔

۲۲– ہر کمانے والا اپنی کمائی کا خود ذمہ دار ہوگا۔

۲۳– اللہ تعالیٰ اس معاہدہ کی دفعات کا ضامن ومحافظ ہے۔

۲۴– یہ تحریر کسی ظالم اور زیادتی کرنے والے کو سزا دینے کی راہ میں حائل نہ ہوگی۔ جو شخص اپنے گھر سے باہر نکلے گا، امن وامان کا مستحق ہوگا، اسی طرح جو گھر میں بیٹھا رہے گا وہ بھی امن وامان کا حق دار ہوگا، علاوہ اس کے جو ظلم یا غداری کرے۔

اس دستور کا خلاصہ یہ ہے :

یہودیوں کو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مساوی اور برابری کا درجہ حاصل ہے، انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، عہد شکنی اور وعدہ خلافی یکساں طور پر سب کے لیے نا قابل معافی جرم ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں اسلامی ریاست کی حدود میں جان ومال اور عزت وآبرو کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل فقہ اسلامی کی روشنی میں درج ذیل ہے۔

۱– جان کی حفاظت :

انسان کی سب سے قیمتی متاع اس کی جان اور زندگی ہے، اور اسی سے اس خاک دان ارضی میں ساری بہاریں قائم اور عشرت کدے آباد ہیں، اس لئے جان اور زندگی کی حفاظت سب سے بنیادی حق ہے، اور اس حق میں وہ تمام غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، جن سے مسلمانوں کی جنگ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :"**ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق**" (بنی اسرائیل: ۳۳)، دوسری جگہ ارشاد ہے :"**من قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعا، ومن أحیاها فکأنما أحیا الناس جمیعا**"۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا :"من قتل

معاهداً لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عاما'' (بخاری، حدیث نمبر ۳۱۶۶)۔

۲- مسلمان سے غیر مسلم کا قصاص:

اسی سے قصاص اور دیت کا مسئلہ بھی متعلق ہے، اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کردے تو مسلمان اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا اصول یہی بتایا ہے کہ کوئی بھی انسان اگر دوسرے انسان کو قتل کرے تو وہ اس کے بدلہ قتل کیا جائے گا، قرآن نے اس سلسلہ میں ''النفس بالنفس'' کی تعبیر اختیار کی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ قانون قصاص میں نفس انسانی کا قتل ملحوظ ہے۔ خواہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے، کافر کافر کو یا مسلمان اور غیر مسلم میں سے ایک دوسرے کو، اس سلسلہ میں متعدد احادیث سے بھی روشنی ملتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان نے ایک معاہد کو قتل کردیا، آپؐ نے اس کے بدلہ اس مسلمان کو قتل کردیا اور فرمایا: ''أنا أقوم من وفى بذمتي'' (مصنف عبد الرزاق: ۱۰/۱۰۱، سنن بیہقی ۴/۲۰، حدیث نمبر ۱۶۱۳۴۵)۔

۳- غیر مسلم کی دیت:

جان کی حفاظت ہی سے دیت کا مسئلہ بھی متعلق ہے، چونکہ معاہد غیر مسلموں کے خون کی وہی اہمیت ہے جو مسلمانوں کی، اور اس سلسلہ میں صحابیٔ رسولؐ حضرت علیؓ نے بہ طور ایک قاعدہ کے یہ بات فرمائی ہے: ''من كان له ذمتنا فذمه كذمنا و ديته كديتنا'' اس لئے غیر مسلم کی دیت وہی ہونی چاہئے جو مسلمانوں کی دیت ہے، اس سلسلہ میں متعدد روایتیں بھی موجود ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے مسلمان ہی کی دیت کی طرح ذمی کی دیت ادا فرمائی (سنن دار قطنی، کتاب الحدود ص: ۳۴۳، بحوالہ حاشیہ نصب الرایہ ۴/۳۶۶)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں مسلمان یہودی اور عیسائی کی دیت بہ مقابلہ مسلمان کے نصف کردی، پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو انہوں نے دوبارہ دیت برابر کردی (نصب الرایہ ۲/ ۳۶۷، بحوالہ ابن عدی فی الکامل)۔

۴ــ محاربین کے ساتھ حسن سلوک:

بلکہ جن غیر مسلموں سے مسلمان جنگ کی کیفیت میں ہوں، ان کے بارے میں بھی آپؐ نے ہدایت دی "**لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا إمرأة**" (أبوداؤد حدیث نمبر ۲۶۱۴، عن أنس بن مالک)، (شیخ فانی، بچوں، چھوٹوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو)۔

۵ــ تحفظ مال:

جو حرمت غیر مسلموں کی جان کی ہے، وہی ان کے مال کی بھی ہے، کیونکہ حضرت علیؓ سے اہل ذمہ کے بارے میں جو اصول منقول ہے، وہ یہ کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں: "**دمائهم کدمائنا وأموالهم کأموالنا**" (نصب الرایہ ۳۶۹/۴)، اور قرآن مجید نے بھی اس سلسلہ میں ایک بنیادی اصول بنایا ہے کہ باطل طریقہ پر کسی کے مال نہ کھاؤ "**لا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل**" (البقرہ: ۱۸۸)، تو جسے ناروا طریقہ پر مسلمان کا مال لینا باطل طریقہ پر کھانا ہے، اسی طرح غیر مسلم کا مال لینا بھی باطل طریقہ میں شامل ہے، کیونکہ دوسرے کا مال اسی وقت حلال ہوسکتا ہے جب کہ اس میں اس کی رضامندی شامل ہو، "**إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم**" (النساء: ۲۶)۔

۶ــ پیشہ اختیار کرنے کی آزادی:

اسلام سے پہلے طبقاتی تقسیم کے تصور کے تحت بعض مذاہب اور نظام مملکت میں لوگوں اور خاندانوں کے لئے پیشے مخصوص کردیئے جاتے تھے اور ان پر پابندی ہوتی تھی کہ وہ دوسرے پیشے اختیار نہیں کریں۔

اسلام نے ایک تو یہ تصور دیا کہ کوئی جائز اور حلال پیشہ حقیر نہیں، دوسری ہر شخص اپنی صلاحیت کے اعتبار سے کوئی بھی پیشہ اختیار کرسکتا ہے، چنانچہ جیسے مسلمانوں کو کوئی بھی حلال ذریعۂ معاش اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، غیر مسلموں کو بھی پیشہ وحرفت کی آزادی ہے۔ اسلام نے ایسی کوئی تقسیم نہیں رکھی کہ غیر مسلم کسی خاص پیشہ یا حقیر سمجھے جانے والے پیشوں پر مجبور کردیئے جائیں۔

۷ـ عزت وآبرو کا تحفظ :

جان وزندگی کے بعد ایک شریف انسان کو جو چیز سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، وہ ہے عزت وآبرو کا تحفظ کہ یہ شرافت انسانی کا اصل جوہر اور انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اس باب میں مسلمانوں ہی کی طرح غیر مسلموں کو بھی عزت وآبرو کے تحفظ کا مساوی حق حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''یا أیھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منھم، ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرا منھن ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب'' (حجرات:۱۱)۔(اے ایمان والو! ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور یہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے)۔

۸ـ تعلیم وتعلم کا حق :

مسلم حکومت میں ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا مساوی حق حاصل ہے، اسلام سے

پہلے بعض قوموں نے ایسا استحصالی نظام قائم کر رکھا تھا کہ جو قوم بالادست ہوتی وہ کچھ لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کی غرض سے ان پر علم کا دروازہ بند رکھتی، اس سلسلہ میں سب سے واضح مثال خود ہندوستان کی ہے، جس میں برہمن شودر پر تعلیم کا دروازہ بند کئے ہوئے تھے، چنانچہ ہندو بھائیوں کے قانون شریعت منوسمرتی میں برہمنوں کے فرائض اس طرح ذکر کئے گئے ہیں:
"وید پڑھنا، وید پڑھانا، یگیہ کرنا، یگیہ کرانا، دان دینا، دان لینا یہ چھ کرم برہمن کے بنائے ہیں" (۱/۸۸)۔

دوسری طرف تاریخ کی سب سے مظلوم قوم شودر کے بارے میں منو کی تعلیم اس طرح ہیں: "جو شخص شودر کو دھرم اور برت کا اپدیش دیتا ہے وہ مع اس شودر کے اسمبرت نام نرک میں جاتا ہے" (۴/۸۱)۔

اسلام نے تعلیم کے لئے ایسی کوئی حد بندی نہیں رکھی، آپؐ نے باندیوں کو تعلیم دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص باندی کی بہتر تعلیم و تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے، اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ باندیاں زیادہ تر غیر مسلم ہی ہوا کرتی تھیں، اس لئے اس سے غیر مسلموں کی تعلیم و تربیت کی طرف اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دورِ حکومت بالخصوص عباسیوں کے دورِ حکومت میں بڑے بڑے غیر مسلم فضلاء موجود تھے اور حکومتیں ان کی اتنی ناز برداری اور قدر دانی کرتی تھیں کہ مسلمانوں کو بھی اس درجہ کا اعزاز و عنایت میسر نہ آتا تھا۔

۹ — سیاسی حقوق:

اسلامی نظام حکومت جس اساس پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کے لئے قانون بنانا اللہ ہی کا حق ہے، اور حلال و حرام کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہے "إن الحكم إلا لله" اس کی طرف سے جو احکام موجود ہوں ان کے مقابلہ میں نہ کسی شخص کا حکم معتبر ہے نہ افراد کے مجموعہ کا اور نہ کسی

قوم یا کسی قوم کی اکثریت کا ارشاد ربانی ہے :"وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله أن يبتغون إلا الظن وإن هم إلا يخرصون" (انعام:۱۱۵-۱۱۶)۔

(اگر آپ زمین کے اکثر لوگوں کی اطاعت کریں تو آپ کو خدا کی راہ سے ہٹا دیں گے وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں)۔

جب بھی کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو آخری فیصلہ حکم ربانی کے مطابق ہوگا "وما اختلفتم فيه من شيء فحكمه إلى الله ذلكم الله ربي عليه توكلت وإليه أنيب" (شوریٰ:۱۰)۔

خالق کائنات کا ہر حکم عدل وانصاف پر مبنی ہے اور انسانی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہے، زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق تمام ضروری احکام مقرر وموجود ہیں، یہاں قانون سازی کی ضرورت نہیں البتہ قانون کی تشریح کی گنجائش ہے اور یہ تشریح وتوضیح وہی کرسکتے ہیں جو قانون الٰہی پر یقین وایمان رکھتے اور اس کی پاسداری کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں اسلامی مملکت میں مقننہ کے ارکان کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے، البتہ بہت سے قوانین انتظامی نوعیت کے ہوتے ہیں، ان میں قانون سازی کی گنجائش ہے اور غیر مسلموں سے مشورے لئے جاسکتے ہیں، اسی طرح غیر مسلم اقلیت کو اپنے مذہبی اور معاشرتی قوانین میں جب آزادی ہے تو اسلامی ریاست میں ان کے ان مسائل میں علاحدہ مقننہ بھی ہوسکتی ہے۔

غرض کہ سیاست کے شعبہ میں غیر مسلموں کا دائرۂ عمل کسی قدر محدود ہوگا، لیکن ان کے مفادات کی پوری رعایت اور حفاظت ملحوظ رہے گی۔

۱۰- غیر مسلموں کو سرکاری عہدے :

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کیا عہدے اور ذمہ داریاں دی جاسکتی ہیں، اس سلسلہ میں یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسے عہدے جن سے مملکت کلی کا تحفظ اور سلامتی متعلق ہوتی ہے، اور

جن میں رازداری کی رعایت ضروری ہے، غیر مسلموں کو نہیں دیئے جاسکتے یہ اس لئے کہ اسلامی فکر پر تشکیل پانے والی مملکت سے جو محبت اس شخص کو ہوگی جو اسلام پر ایمان رکھتا ہو وہ محبت دوسروں کو نہیں ہوسکتی، اور ہر ایک ملک میں چاہے دستوری طور پر اس کی صراحت ہو یا نہ ہو عملا اسی کو برتا جاتا ہے، اسی بنیاد پر سربراہ مملکت کے لیے مسلمان اور صاحب عدل ہونا ضروری ہے، اس سلسلہ میں دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **"أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفی صدورهم أکبر، قد بینا لکم الآیات إن کنتم تعقلون"** (آل عمران: ۱۱۸)۔ (اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں ہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتادیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے)۔

لیکن جو حساس عہدے نہ ہوں، ان پر غیر مسلموں کو مامور کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ تو ملازمت ہے اور غیر مسلم کو ملازم رکھا جاسکتا ہے، جیسا کہ آپ ؐ سے ثابت ہے کہ آپ ؐ نے ہجرت کے راستہ کی رہنمائی کے لئے ایک غیر مسلم کو راستہ بتلانے کے لئے اجرت پر لیا تھا۔

۱۱- عقیدہ کی آزادی :

جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں :

(۱) عقیدہ کی آزادی: اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے: **"لا إکراه فی الدین"**۔

(۲) مذہب پر عمل کی آزادی۔

(۳) مذہبی عبادت گاہوں کا تحفظ۔

(۴) تبلیغ مذہب۔

جہاں تک مذہب پر عمل کی آزادی کا تعلق ہے تو جیسے غیر مسلم اقلیت کو عقیدہ کی آزادی ہوگی ویسے ہی اپنے مذہبی طریقہ پر عبادت اور اپنے معاشرتی قوانین پر عمل کرنے کا بھی اختیار رہوگا، چنانچہ مدینہ میں یہود عبادت کیا کرتے تھے اور ان پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ خود رسولؐ نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبویؐ میں اپنے مذہب کے مطابق اور اپنے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی اجازت دی "**وقد مكن النبی وفد نصاری نجران من صلاتهم فی مسجده إلی قبلتهم**" (احکام أہل الذمۃ ل ابن القیم ۱/۳۱۶)۔

"**ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ولينصرن الله من ينصره إن الله لقوی عزيز**" (الحج:۴۰)

(اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے توڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جس میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مکرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا ہے)۔

جیسے غیر مسلموں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت ہے، ویسے ہی ان کو اس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے جائدادیں وقف کریں اور وہ اسی مد میں خرچ کئے جائیں گے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے عبادت گاہوں پر غیر مسلموں کے اوقاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمر کے عہد میں جب مصر فتح کیا تو جس قدر اراضیات گرجاؤں پر وقف تھیں اسی طرح بحال رہنے دیں۔ چنانچہ اس قسم کی جو اراضیات ۷۵۵ھ تک موجود تھیں ان کی مقدار ۲۵ ہزار قران تھی (مقالات شبلی، ۲۰۲ بحوالہ مقریزی ۲/۴۹۹)۔

مذہبی آزادی میں ایک پہلو مذہب کی دعوت وتبلیغ کی آزادی بھی ہے، اسلامی

مملکت چونکہ ایک مذہبی مملکت ہوتی ہے اور اسلام وہاں محض ایک انفرادی عقیدہ نہیں ہوتا، بلکہ مملکت کا آئین اس کے تابع ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے اس بات کو روا نہیں رکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم گروہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرے اور ان کو اسلام سے کفر کی طرف لے جائے، کیونکہ یہ خود انسان کے دنیوی واخروی مفاد کے خلاف ہے اور کوئی بھی صاحب عقل وخرد اس کو روا نہیں سمجھ سکتا کہ کسی کو ان کی روشنی سے کفر کے اندھیرے میں جانے کا موقع فراہم کیا جائے، اس لئے اسلامی مملکت میں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

۱۲ــ اظہار رائے کی آزادی :

ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو بھی مناسب حدود میں رہتے ہوئے اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ انتظامی مسائل میں تو وہ حکومت کے طریقۂ کار پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہی ہیں اگر ان پر کوئی زیادتی ہو یا کوئی ایسا قانون بنے جو معاہدہ یا ملک کے دستور میں اقلیتوں کو دی گئی ضمانتوں کے خلاف ہو تو ان کو اس پر احتجاج اور اظہار ناراضگی کا پورا حق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **"لایحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم و كان الله سميعاً عليما"** (النساء: ۱۴۸)، (اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سننے والا، جاننے والا)۔

اس آیت میں بلا امتیاز ہر شخص کو ظلم وزیادتی کے خلاف احتجاج کا حق دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اسلام پر یقین رکھتے، انہیں تہذیب وشائستگی کے دائرہ میں رہتے ہوئے اسلام کی کسی فکر پر عقلی اعتبار سے نقد کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ جو آزادی حدود وقیود سے بھی آزاد ہو جائے اور جس آزادی سے عزت وآبرو مجروح ہوتی ہو وہ آزادی انسانیت کے لئے رحمت نہیں بلکہ زحمت ہے اور نعمت نہیں بلکہ مصیبت ہے۔

۱۳۔ غیر مسلموں سے حسن سلوک :

اسلام نے حسن سلوک، مالی اعانت، پریشان حالوں کی مدد اور مفلسوں کی اعانت کے لئے مسلمان اور غیر مسلم کی قید نہیں رکھی ہے، بلکہ انسانی بنیادوں پر تمام ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "**لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين، إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون**" (الممتحنة: ۸–۹)، (اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک تمہاے نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرسو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار)۔

اس آیت نے اصولی طور پر یہ بات واضح کردی ہے کہ جو قوم مسلمان سے برسر پیکار نہ ہو، مسلمانوں کو اس کے ساتھ حسن سلوک سے ہاتھ نہ کھینچنا چاہئے، بعض حضرات غیر مسلموں کی ان کے کفر کی وجہ سے مدد کرنا نہیں چاہتے تھے، قرآن نے اس رویہ کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں ہے، اور تمہارا حسن سلوک بہرحال رائیگاں نہیں جائے گا، چنانچہ ارشاد ہے، "**ليس عليک هداهم ولكن الله يهدى من يشاء وماتنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقون إلا ابتغاء وجه الله، وما تنفقوا من خير يوف إليكم وأنتم لاتظلمون**" (البقرہ: ۲۷۲)۔

(اے نبی! ان لوگوں کو ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ ہی جسے چاہتا ہے، ہدایت عطا فرماتا ہے اور تم جو بھی مال (اللہ کے لیے) خرچ کرو گے، وہ تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہے اور تم اللہ کی خوشنودی کے لیے تو خرچ کرتے ہو اور جو بھی مال خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی)۔

اسلامی دورِ حکومت میں اس کی بے شمار مثال ملتی ہیں کہ مسلم حکمرانوں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہترین سلوک کا ثبوت دیا ہے، علامہ زیلعیؒ نے کتاب الأموال کے حوالہ سے نقل کیا ہے، حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی (غیر مسلم) کو دیکھا جو لوگوں سے مانگ رہا تھا آپ نے اس سے گداگری کی وجہ پوچھی اس نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم نے تمہاری جوانی کی کمائی سے پھر ہم تم سے جزیہ وصول کرتے ہیں اور اپنے گورنروں کو حکم لکھا کہ بہت بوڑھے اشخاص سے جزیہ نہ لیا جائے (نصب الرایہ ۳/ ۴۵۳)۔

غرضیکہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا اور ان کی مالی مدد کی جائے اور ان کو معاشی وہی سہولتیں حاصل ہوں گی جو مسلمان شہریوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

☆☆☆

حقوق انسانی اوراسلام

ماحولیات کے تناظر میں

انسان اشرف المخلوقات ہے، ساری کائنات اسی کے لئے بنائی گئی ہے۔ وہ اسے برتے، استعمال کرے، فائدہ اٹھائے۔

استعمال کرنے اور برتنے میں اصول وضوابط کا خیال رکھے، من مانیاں نہ کرے، حدود کی پابندی کرے، خود فائدہ اٹھائے مگر دوسروں کو نقصان نہ پہنچائے، اپنے مفادات کے آگے دوسروں کے مفادات کو پامال نہ کرے، اپنا ضرر دور کرنے کے لیے دوسروں کو ضرر نہ پہنچائے۔

بحیثیت انسان اسے حق حاصل ہے کہ پُرسکون ماحول میں زندگی گزارے، صاف ستھری اور پاکیزہ غذا ملے، صاف وپاک پانی ملے، صاف ستھری ہوا ملے، آلودگی وگندگی سے دور ونفور ہو معاشرہ، مادی وروحانی ہر طرح کی آلائشوں سے محفوظ ہو، ہر طرح کے فساد وبگاڑ سے مامون ہو۔

یہ سارے حقوق اسلام نے انسان کو دیئے ہیں، اگلی سطور میں انہیں کی تفصیل وتشریح کی جارہی ہے:

ماحولیات کے متعلق اسلامی ہدایات:

انسان کے آس پاس کی چیزیں انسان کا ماحول کہلاتی ہیں۔ یہ آس پاس کی چیزیں

گاؤں، گھر، گلی کوچے، سڑکیں، ندی نالے، کھیت، پہاڑ، جنگلات باغات، کارخانے اور فیکٹریاں سبھی ہوتے ہیں۔

جس طرح انسان کی اپنی زندگی پاکیزہ اور ہر قسم کی آلودگیوں سے محفوظ ہونی چاہئے، اسی طرح انسان کو اپنے پورے ماحول کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا چاہئے۔

انسان اور اس کے ماحول کی پاکیزگی دوطرح کی ہوتی ہے روحانی پاکیزگی، مادی پاکیزگی، اسلام کی ساری تعلیمات روحانی پاکیزگی کا مظہر ہیں بلکہ اسلام کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ کائنات کو روحانی پاکیزگی سے معمور کردے اس طرح اسلام کی روحانی پاکیزگی کے اثرات بہت ہی طویل وعریض اور دوررس ہیں اور ان کی تفصیل بیان کرنا اور مشکل ہے قرآن وحدیث کے بحر ناپید کنار سے شناوران حق کے لیے ایک عظیم میدان فراہم کردیا ہے۔

یہاں کو صرف مادی پاکیزگی تک محدود رکھنا ہے اور بتانا ہے کہ اس میں ماحول کا تحفظ کیسے ہوگا، آلودگی سے حفاظت کیسے ہوگی، اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات وہدایات کیا ہیں اور اسلام نے ان کی رعایت کہاں کہاں رکھی ہے؟

پانی کی اہمیت:

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے وہ انسانی زندگی کے لیے بہت اہم ہے قرآن کی مختلف آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، اپنے احسانات میں پانی اتارنے اور زمین سے نکالنے اور اس کے فوائد کو بیان فرمایا ہے مثلاً سورۃ انعام آیت: ۹۹، فرقان، آیت: ۴۸–۹ ۴، بقرہ آیت: ۱۴۴، واقعہ آیت: ۶۸ –۷۰، ق آیت: ۷–۱۱ وغیرہ۔

یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

”عن ابن عباس ﷺ قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتنفس

فی الإناء أو ینفخ فیه'' (ابوداؤد ۲/ ۵۲۴، باب فی النفخ فی التراب)، (عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے)۔

دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ برتن میں سانس لینے اور پھونکنے سے مراد پانی کے برتن میں یا کوئی اور چیز جو پینے کے لئے اٹھائی ہے شربت، چائے وغیرہ اس میں پھونکنا منع ہے (ترمذی ۲/ ۱۰ وغیرہ)۔

اسی طرح پانی کو تین سانس میں پینا چاہئے اس سے سیرابی خوب ہوتی ہے اچھی طرح پیاس بجھ جاتی ہے (مسلم ۲/ ۱۷۴ باب کراہیۃ التنفس فی نفس الإناء واستحباب التنفس خارج الإناء)۔

پانی اگر اپنی ضرورت سے فاضل ہو تو دوسروں کو محروم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پانی سرسبزی وشادابی کا ذریعہ ہے جو پانی پر روک لگائے گا وہ ماحول کی سرسبزی وشادابی پر روک لگائے گا، حدیث نبوی ہے کہ زائد پانی کو نہ روکو اس طرح تم زائد گھاس کو روک دوگے فی فی (مشکوۃ ۱/ ۲۵۹)۔

پانی کو گندہ کرنے کی ممانعت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو گندہ اور ناپاک کرنے سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو (مسلم ۱/ ۱۳۸)۔

طہارت ونظافت کی اہمیت :

قرآن میں ہے **إن اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین** (بقرہ/ ۲۲۲)، (اللہ

تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے) اسی طرح اہل قبا کی سورہ توبہ میں طہارت ونظافت کی بنا پر تعریف کی گئی ہے، انسان اگر نظافت اختیار کرتا ہے، اپنا لباس، اپنی وضع قطع اچھی بناتا ہے اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے حسن وخوبصورتی اختیار کرتا ہے تو شریعت نے اس کی پوری آزادی دی ہے، کوئی بندش نہیں لگائی۔

اجتماعی ماحول کو آلودگی سے بچانا :

جو مواقع بہت سے لوگوں کے مجتمع ہونے کے ہوتے ہیں، ان میں مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، مختلف ذہن رکھنے والے، مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے، مثلاً عیدین اور جمعہ میں اسی قسم کا اجتماعی ماحول ہوتا ہے، لہٰذا حکم ہے کہ غسل کرو، خوشبو لگاؤ، تمہارے کپڑوں میں جو سب سے عمدہ ہو، نیا ہو یا پرانا، دھلا اور ستھرا ہو، اسے پہن کر نماز جمعہ وعیدین میں جاؤ، تاکہ ایک دوسرے کے لباس، پسینہ وغیرہ سے کسی کو اذیت نہ ہو۔ خوشی کا ماحول کبیدگی کا ماحول نہ بنے۔

اس حکمت ومصلحت کو اس حدیث کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے:

"عکرمہؓ سے مروی ہے کہ عراق کے کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور کہا: اے ابن عباس کیا آپ کے خیال میں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، فرمایا نہیں، لیکن یہ غسل بہت پاک کرنے والا اور بہت بہتر ہے، اس کے لئے جو غسل کرے اور جو نہ کرے تو اس کو واجب نہیں۔

میں تم کو بتلاتا ہوں کہ غسل کیسے شروع ہوا، لوگ غریب ومحتاج تھے۔ اون پہنتے تھے، اپنی پیٹھوں پر کام کرتے تھے، مسجد نبویؐ تنگ تھی اور قریب چھت والی تھی، بس وہ ایک چھپر کے مانند تھی، رسول اللہؐ ایک مرتبہ گرمی کے دن میں نکلے، لوگ اونی کپڑے میں پسینہ میں تر ہو گئے تھے، ان سے بدبو پھیلی، اور اس وجہ سے ایک دوسرے کو ایذا پہنچی، یہ بدبو حضورؐ نے بھی

محسوس کی کی، آپؐ نے فرمایا: ''جب یہ دن آئے تو غسل کرو اور تمہارے پاس جو اچھی خوشبو یا تیل ہو اسے لگاؤ اور پھر مسجد میں آؤنی نی۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: پھر اللہ تعالی نے مسلمانوں کو مال دیدیا، اون کی جگہ سوتی اور دوسرے قسم کے کپڑے پہننے لگے، کام سے بھی کفایت کئے گئے، مسجد بھی کشادہ کردی گئی اور پھر وہ چیز (پسینہ) جاتی رہی جو ایذا کا سبب بنتی تھی، لہٰذا یہ غسل واجب کے بجائے سنت ہو گیانی نی (ابوداؤد ۱؍۵۱، باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ)۔

پبلک مقامات کو آلودگی سے بچانا:

ایسی جگہیں جو لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے کی ہوں، سیر سپاٹے، تفریح کی ہوں، سردیوں میں دھوپ کھانے، گرمیوں میں سائے اور میوا خوری کی ہوں، راستے اور سڑکیں ہوں، پانی پینے، کپڑا دھونے، یا ندی پار کرنے کا گھاٹ ہوں، ان مقامات کو نجاست سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے، ایسی جگہوں پر پیشاب و پاخانہ کے لئے بیٹھنا منع ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اتقوا اللاعنین (دو سبب لعنت سے بچو) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، وہ دونوں چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: **''الذی یتخلی فی طریق الناس أو فی ظلهم''** (أبوداؤد ۱؍۵، باب المواضع التی نہی عن البول فیہا)۔ (وہ جو لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے یا ان کے سایہ حاصل کرنے کی جگہ میں)۔

دوسری حدیث میں ہے: **''اتقوا الملاعنة الثلاثة: البراز فی الموارد وقارعة الطریق والظل''**، (تین چیزوں سے بچو جو سبب لعنت ہیں۔ گھاٹوں، راستوں اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے (کیونکہ ایسی جگہوں پر جو پاخانہ دیکھے گا وہ پاخانہ کرنے والے کو برا بھلا کہے گا)۔